Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

• جلد 12 / • شمارہ 12 / • جولائی / 2023

ہجرت میں سبق

تیکھی مرچی

عافیہ سے رشتہ کیا؟ لا إله إلا الله

بہترین صفات اور شاندار نتیجہ

آم پھلوں کا بادشاہ

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

Fruiti-O®
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste Of Nature
Fruiti-O
Guava Nectar
Contains Guava Fruit Pulp
Fruiti-O®
Mango Nectar
Contains chaunsa Mango Pulp
Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
Contains Pommegranate Fruit Concentrate
fruitioPakistan
fruitioPakistan
www.fruitio.com.pk

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جولائی 2023

فہم وفکر

بہترین صفات اور شاندار نتیجہ	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	10
حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	13
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے شفقت	عبد الحفیظ شاہد	14
عافیہ سے رشتہ کیا	عصمت اسامہ	16
سوال ہے عافیہ	امۃ اللہ	16
آم	حکیم شمیم احمد	17
مسجد اقصی	فاطمہ طارق	20

خواتینِ اسلام

چراغ جلے	گل جہاں	21
گلشن گلستان	لائبہ عبد الستار	22
گرمیوں کی چھٹیاں	نشاو قار	23
سجادوست	مہوش اسد شیخ	25
تیکھی مرچ	بنت مسعود	31
زینہ	شمائلہ شکیل	27
بولنے والا درخت	ماہم احسن	28
حفاظت کے لیے دعا	بنت محمد	30
نہ،نا،ناں	حفیظ اللہ	30

باغیچہ اطفال

لینے کے دینے	عرفان حیدر	34
کامیاب کون؟	ام عبد اللہ	35
ایک اور ایک 11	ام مصطفی	37
اف یہ بے ادبی	عبد الصمد	37
حامد لومڑی	سمیرا انور	38
حضرت ہاشم مرقال رضی اللہ عنہ	بنت تاجور	39

بزمِ ادب

کعبے کی یہ بجلی ہے	ساجدہ بتول	42
بڑی سرکار میں پہنچے بڑا دربار دیکھیں گے	خرم فاروق ضیاء	43
منقبت در شان فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شمسی

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرون ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیک	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

بہترین صفات اور شاندار نتیجہ

مدیر کے قلم سے

قربانی اور حج دونوں عبادات یادگار اور نشانیاں ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے اُن امتحانوں کی، جو رب کی طرف سے لیے گئے اور حضرت ابراہیمؑ نہ صرف یہ کہ ان میں سرخ رُو ہوئے، بلکہ ربِّ ذوالجلال کی طرف سے انہیں ''خلیل اللہ'' کا لقب بھی ملا اور اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کے قرآنی الفاظ میں پوری دنیا کی امامت کرنے کا انعام اور نتیجہ بھی ملا، چناں چہ اللہ جل جلالہٗ نے امامت کا یہ وعدہ اس طور پر پورا کیا کہ ہر جماعت ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرنے لگی۔ یہودی کہنے لگے: حضرت ابراہیمؑ تو ہمارے ہیں، وہ تو یہودی تھے۔ عیسائیوں کا کہنا ہے: حضرت ابراہیمؑ ہمارے ہیں، وہ تو عیسائی تھے۔ یہ دونوں جماعتیں تو چلو آسمانی کتابوں کو ماننے والے تھے، ان کی کتاب تورات و انجیل میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ بھی ہے۔ آپ لوگوں کے دِلوں میں حضرتِ ابراہیمؑ کی محبت کا عالم ملاحظہ فرمائیں کہ مکہ کے مشرک اور بت پرست لوگ بھی یہ دعویٰ دار ہوئے کہ ''ابراہیمی'' حضرت ابراہیمؑ کو ماننے والے تو ہم ہیں، حتیٰ کہ قرآن مجید کو صریح الفاظ میں وضاحت کرنی پڑی کہ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کہ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی تھے اور نہ ہی بت پرستوں سے ان کا کوئی تعلق تھا، وہ تو پکے مسلمان تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی بہت سی صفات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنا خلیل بھی بنایا اور لوگوں کی امامت کا منصب بھی عطا فرمایا ہے، مگر میں یہاں پر خاص طور پر دو صفات ذکر کرنا چاہوں گا، جو میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے ہوتے ہوئے زندگی میں کیسے بھی امتحانات آجائیں، بندے کا رب سے تعلق کمزور نہیں ہوتا، بلکہ مضبوط ہی ہوتا ہے۔

ایک صفت اور عادت اپنے خلیل کی، اللہ تعالیٰ نے پہلے پارے کے آخری رکوع میں ذکر کی ہے اور بالکل اُسی انداز میں تعبیر کر کے بتلائی ہے جیسے حضرتِ ابراہیمؑ کی زندگی کا انداز ہوتا ہوگا۔ فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ کہ جب رب تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے فرمایا کہ میرے حکم کے لیے فرماں بردار اور تابعدار ہو جایئے تو انھوں نے اگلے ہی لمحے عرض کر دیا: اَسْلَمْتُ کہ جی میرے رب! میں تو آپ کے حکم کے لیے ہی فرماں بردار اور تابعدار ہوں۔ سبحان اللہ! اور یہ اُن کے زبانی کلامی الفاظ نہیں تھے، بلکہ پھر پوری زندگی کا نقشہ اسی طرح تھا کہ اِدھر رب تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم یا امتحان کا طے ہوا اور اُدھر حضرت ابراہیمؑ آگ میں کودنے کے لیے تیار ہوگئے۔ دُنیا دم سادھے کھڑی تھی اور حالت یہ تھی کہ

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

پھر بہت امتحانات آئے: باپ نے گھر سے نکال دیا، عراق سے ہجرت کرنی پڑی، مکہ کے سنگلاخ پہاڑوں میں اہلیہ اور شیر خوار بچے کو چھوڑنا پڑا حتی کہ بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کا حکم ملا، مگر اِدھر بدستور ایک ہی جواب تھا: اَسْلَمْتُ کہ جی میرے رب! میں تو آپ کے حکم کے لیے ہی فرماں بردار اور تابعدار ہوں۔ تو عید قرباں اور حج بیت اللہ کے اس مبارک موقع پر ہمیں اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ کی اس صفت کو یاد رکھنے بلکہ اپنی زندگیوں میں اپنانے کی بھی ضرورت ہے۔

ایک اور عادت اور صفت حضرت ابراہیمؑ کی، جسے قرآن مجید نے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے، وہ ہے حَنِيْفًا کہ حضرت ابراہیمؑ حنیفی تھے۔ حنیفی کا مطلب یہ ہے کہ رب کی فرماں برداری اور تابعداری کے حوالے سے حضرت ابراہیمؑ کے دِل میں کبھی کوئی شک و شبہ نہیں آیا۔ حضرت ابراہیمؑ یک سُو تھے، متذبذب نہیں تھے، ڈانواں ڈول نہیں تھے، وہمی نہ ہونا، اسلام کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی نہ ہونا، چھوٹے چھوٹے وی لاگز اور ویڈیوز دیکھ کر اسلام کے بارے میں شک و شبہ کا شکار نہ ہونا، اسی کو حَنِيْفًا کہتے ہیں۔

قارئینِ گرامی! دو باتیں ہو گئیں۔ ایک یہ کہ جہاں جہاں بھی رب تعالیٰ کے احکام اَسْلِمْ کی صورت میں ہمارے سامنے آجائیں، وہیں ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے انداز میں فوراً اَسْلَمْتُ کی صورت میں فرماں برداری اور تابعداری کا عملی اظہار کر دینا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اسلامی عقیدے میں ہمیں کسی وہم پرستی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، اسلام پر غیر متزلزل یقین ہونا چاہیے، یہی قرآن مجید کا پیغام ہے، یہی حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا حاصل اور پیغام ہے اور یہی عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی اور حج بیت اللہ جیسی دو عظیم عبادات کا پیغام ہے۔

والسلام

اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ
لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ
هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ 41

ترجمہ: اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں، یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں، (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے، جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہو جانے کے بعد بھی ان میں تحریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بچ کر رہنا اور جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لیے تمہارا کوئی زور ہرگز نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کے لیے آخرت میں زبردست عذاب ہے۔ 41

تشریح نمبر 1: یہاں سے آیت نمبر 50 تک کی آیتیں کچھ خاص واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، جن میں کچھ یہودیوں نے اپنے کچھ جھگڑے اس اُمید پر آں حضرت ﷺ کے پاس لانے کا ارادہ کیا تھا کہ آپ ان کا فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق کریں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو یہ تھا کہ خیبر کے دو شادی شدہ یہودی مرد و عورت نے زنا کر لیا تھا، جس کی سزا خود تورات میں یہ مقرر تھی کہ ایسے مرد و عورت کو سنگسار کر کے ہلاک کیا جائے۔ یہ سزا موجودہ تورات میں بھی موجود ہے، لیکن یہودیوں نے اس کو چھوڑ کر کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا مقرر کر رکھی تھی۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ اس سزا میں بھی کمی ہو جائے، اس لیے انھوں نے سوچا کہ آں حضرت ﷺ کی شریعت میں بہت سے احکام تورات کے احکام کے مقابلے میں نرم ہیں، اس لیے اگر آپ سے فیصلہ کرایا جائے تو شاید آپ کوئی نرم فیصلہ کریں اور یہ مرد و عورت سنگساری کی سزا سے بچ جائیں۔ اس غرض کے لیے خیبر یہودیوں نے مدینہ منوّرہ میں رہنے والے کچھ یہودیوں کو جن میں سے کچھ منافق بھی تھے، ان مجرموں کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، مگر ساتھ ہی انھیں یہ تاکید کی کہ اگر آپ سنگساری کے سوا کوئی اور فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لینا اور اگر سنگساری کا فیصلہ کریں تو اسے قبول نہ کرنا، چناں چہ یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی سزا سنگساری ہے، جسے سُن کر وہ بوکھلا گئے۔ آپ ﷺ نے انہی سے پوچھا کہ تورات میں اس کی سزا کیا ہے؟ شروع میں انھوں نے اس کو چھپانے کی کوشش کی، مگر آخر میں جب آپ ﷺ نے ان کے ایک بڑے عالم ابنِ صوریا کو قسم دی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو پہلے خود یہودی عالم تھے، ان کا پول کھول دیا تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے تورات کی وہ آیت پڑھ دی، جس میں زنا کی سزا سنگساری بیان کی گئی تھی اور یہ بھی بتایا کہ تورات کا حکم تو یہی تھا، مگر ہم میں سے غریب لوگ یہ جرم کرتے تو یہ سزا ان پر جاری کی جاتی تھی اور کوئی مال دار یا باعزت گھرانے کا آدمی یہ جرم کرتا تو اسے کوڑوں وغیرہ کی سزا دے دیا کرتے تھے، پھر رفتہ رفتہ سبھی کے لیے سنگساری کی سزا کو چھوڑ دیا گیا۔

تشریح نمبر 2: یعنی یہودیوں کے پیشوا جو جھوٹی بات تورات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے ہیں اور وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے تو یہ اسے بڑے شوق سے سنتے اور اس پر یقین کر لیتے ہیں، چاہے وہ تورات کے صاف اور صریح احکام کے خلاف ہو اور یہ لوگ جانتے ہوں کہ ان کے پیشواؤں نے رشوت لے کر یہ بات بیان کی ہے۔

تشریح نمبر 3: اس سے ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو خود تو آں حضرت ﷺ کے پاس نہیں آئے، لیکن ان یہودیوں اور منافقوں کو آپ ﷺ کی طرف بھیج دیا، جو لوگ آئے تھے، وہ آں حضرت ﷺ کی بات اس لیے سننے آئے تھے کہ آپ ﷺ کا موقف سننے کے بعد ان لوگوں کو مطلع کریں، جنھوں نے ان کو بھیجا تھا۔

تشریح نمبر 4: چوں کہ یہ دنیا آزمائش ہی کے لیے بنائی گئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو زبردستی راہِ راست پر لا کر اس کے دل کو پاک نہیں کرتا، جو ضد پر اڑا ہوا ہو۔ یہ پاکیزگی انہی کو عطا ہوتی ہے، جو حق کی طلب رکھتے ہوں اور خلوص کے ساتھ اسے قبول کریں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

المائدۃ 41

فہمِ قرآن

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سچے مؤمن کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے

اس دنیا میں رنج و غم بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوش گواری بھی ہے اور ناخوش گواری بھی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس کا یقین کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں، بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لیے ہر نعمت پر اس کا شکر یہ ادا کریں۔ یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کرسکتی۔

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندۂ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔

تشریح: اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لیے ہے، لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن اہلِ ایمان ہی کا حصہ ہے، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرّت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کیے جاتے ہیں اور کوئی ناخوش گواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں اور چوں کہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں، جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی، اس لیے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهٗ مَنْ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ نَفْسِهٖ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا اِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَغْفِرَ لَهٗ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔

تشریح: صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

یومِ عاشورہ کا روزہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَ هٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یومِ عاشورہ کے اور سوائے اس ماہِ مبارک رمضان کے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یومِ عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

EXPLORE
THE ESSENCE OF
KAABA
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
Ghilaaf-e-Kaaba
غلاف کعبہ
LA PERFUME
DRY 300 ml e
Perfect
FRESHENER
رہو خوشبوؤں میں

ہجرت میں سبق

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرّم کی دس تاریخ کو عُرفِ عام میں عاشورہ بھی کہتے ہیں۔ ہمارا دین اس عاشورہ کے بارے میں دو چیزوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ایک تو اس دن اہلِ اسلام روزہ رکھ لیں، رکھنے میں ثواب ہے نہ رکھیں تو کوئی گناہ نہیں، جب آپ کو بتلایا گیا کہ اس دن مدینے کے یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہودیوں کے ساتھ شباہت اختیار نہیں کر سکتا اور اپنی امت کو بھی تلقین فرمائی کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تمہاری مشابہت نہیں ہونی چاہیے۔ روزہ رکھنا ایک عبادت ہے، لیکن اللہ کے نبی کی غیرت اسے بھی برداشت نہیں کرتی کہ میرا دین یہودیوں کے ساتھ مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا: آئندہ سال زندہ رہوں گا تو نویں کو بھی روزہ رکھوں گا، اب اگر کوئی شخص نویں یا گیارہویں کو ملا کر دو روزے رکھے تو ٹھیک ہے، ورنہ صرف دسویں محرّم کا روزہ نہ رکھے اور اس کی وجہ مسلمانوں کو یہود کی مشابہت سے روکنا ہے۔

دوسری بات عاشورہ کے بارے میں بتایا کہ اس دن تم سے ہو سکے تو اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت اختیار کرو، ہاتھ کھلا رکھو، سخاوت سے کھانا کھلاؤ، کھاؤ اس کو فرمایا اور فرمایا اس سے اللہ آپ کے پورے سال کی روزی میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”میرا تو تجربہ ہے، میں نے ایسا کیا تو اللہ نے میرے پورے سال میں روزی میں برکت عطا فرمائی۔“ اس عاشورہ کے متعلّق صرف یہ دو چیزیں ہیں، باقی کچھ بھی نہیں ہے۔ واقعہ کربلا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے جانے کے 60 سال کے بعد پیش آیا تھا۔ کربلا کی دردناکی میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اس عاشورہ کی حرمت کا تعلّق پہلے سے ہے۔

اسلامی سال کا آغاز ہجرت سے ہے۔ آج مغرب کی تہذیب ایسی غالب ہے کہ ہماری نئی نسل کو پتا ہی نہیں کہ مسلمانوں کا سال شروع کب ہوتا ہے؟ ختم کب ہوتا ہے؟ اور اسلامی مہینوں کے نام کیا ہیں؟ اور اسلامی تاریخ کب تبدیل ہوتی ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت، آپ کو نبوت ملنے کے وقت یا آپ کی وفات کے دن سے اسلامی کیلنڈر کا آغاز نہیں کیا گیا، بلکہ ہجرت کے واقعے سے اسلامی کیلنڈر شروع کیا گیا اور ہجرت کو اس لیے بنایا گیا کہ ہجرت اسلام کے غلبے کا اور اسلام کی اشاعت کا اور اطرافِ عالم میں پھیلنے کا ذریعہ بنی ہے۔ اسی کے بعد جہاد کی اجازت ملی، ورنہ مکّہ میں تکالیف برداشت ہو رہی تھیں، دکھ اٹھائے جا رہے تھے، زخم کھائے جا رہے تھے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت ہو رہی تھیں، حکم تھا ہاتھ نہیں اٹھانا۔ ہجرت ہوئی اب اجازت ہوئی کہ اب جواب دو، اسی سے اسلام کا غلبہ شروع ہوا۔ اسلام کی حفاظت، اشاعت شروع ہوئی۔ اسلامی سال کا آغاز واقعہ ہجرت سے ہے، تاکہ جب بھی مسلمان تاریخ لکھے، ہجرت کا واقعہ، پس منظر اور ہجرت کے بعد سے اسلام کی شان و شوکت اس کے ذہن میں تازہ رہے، اگر مسلمانوں کی تہذیب کا غلبہ ہوتا تو مسلمان اپنے ہر خط اور دستاویز میں اسلامی تاریخ لکھتے۔

ہجرت دراصل بہت بڑا سبق ہے۔ ہجرت اِس کائنات کی سب سے بڑی شخصیت اور اس امّت کی سب سے بزرگ ترین ہستیاں محمد رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے، وہ کارنامہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنا وطن چھوڑا، اپنی دولت چھوڑی، اپنی تجارت چھوڑی، اپنے گھر بار چھوڑے، اپنی زراعتیں چھوڑیں، اپنا خاندان سب ہی کچھ چھوڑ دیا، کیوں چھوڑا ہے؟ ہجرت کیوں ہوئی ہے؟ دل و دماغ میں یہ سبق تازہ رہنا چاہیے کہ اسلام کے مقابلے میں وطن مال کی کوئی حیثیت نہیں، جب یہ سبق بھول جاتا ہے، پھر وطن بھی بُت بن جاتا ہے، پھر دولت بھی بُت بن جاتی ہے، پھر زبان اور قوم یہ بھی بُت بن جاتے ہیں، پھر تو علاقہ قومیت یہ بھی ایک بُت بن جاتے ہیں، پھر تو کاروبار یہ بھی ایک بُت بن جاتا ہے۔

ایک مہاجر مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے خوش حال گھرانے کے فرد تھے، بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ دو دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتے تھے، ان کی اماں نے تاجروں سے کہہ رکھا تھا، قیمتی عطر لے کر آنا تو پہلے میرے گھر میں دستک دینا، میرا شہزادہ لگائے گا، پھر مارکیٹ میں لگے گا، قیمتی لباس لانا تو پہلے میرا بیٹا پہنے گا، پھر فروخت کرنا، تمہاری منہ مانگی قیمت دوں گی۔ ایسا ناز و نعمت میں پلنے والا نوجوان، اللہ کی شان اللہ کے نبی سے تعارف ہو گیا، محبت ہو گئی، صحبت مل گئی، ایمان نصیب ہو گیا، گھر والوں کو پتا چلا باندھ دیا، قید کر لیا، چھپتے چھپاتے نکل گئے، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی، پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی اور زندگی ایسی فقر و فاقہ کی گزاری۔۔۔ سبحان اللہ! ایک دن اللہ کے نبی ﷺ تشریف فرما تھے، سامنے سے مصعب بن عمیر آتے ہیں، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری

ہو گئے، اس لیے کہ پہلے مصعب کا لباس کیسے ہوتا تھا اور آج تو اس کے جسم پر پیوند لگے ہوئے ہیں اور ایک جگہ تو چمڑے کا پیوند لگا ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام پاس بیٹھنے والوں سے فرمانے لگے: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جب تمہارے پاس لباس کی اتنی فراوانی ہوگی، ہر لمحے ایک نیا لباس ہوگا، باہر کا الگ، سونے کا الگ، شادی کا الگ، کلب کا الگ، دفتر کا الگ، شادی کا الگ اور پھر تمہاری دیواریں بھی لباس پہنیں گی، جیسے بیت اللہ پر پردہ لٹکا ہے، ایسے تمہاری دیواریں بھی لباس پہنیں گی، اتنی فراوانی ہوگی اور تمہارے دستر خوان پر ایک ڈش رکھ دی جائے گی، دوسری اٹھائی جائے گی، اتنی فراوانی ہوگی۔ بیٹھنے والوں نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! بڑا اطمینان ہو جائے گا، بڑی فراغت ہو جائے گی، خوب اللہ کی بندگی اور عبادت کریں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں! آج تمہارا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے، ایک وقت آئے گا، تمہارا ایمان تنکوں سے زیادہ کمزور ہو جائے گا۔ جہاں دنیا پرستی آتی ہے، وہاں موت کا خوف آتا ہے، وہاں تنگ دستی کا خوف آتا ہے، جہاں دنیا پرستی آتی ہے، وہاں موت کا خوف آتا ہے، وہاں بزدلی آتی ہے، وہاں کمزوری آتی ہے اور جہاں خدا پرستی آتی ہے، جہاں آخرت کا اور موت کا شوق پیدا ہوتا ہے، وہاں دلیری آتی ہے، وہاں بہادری آتی ہے، وہاں شجاعت آتی ہے، زندگی بے خوف گزرتی ہے، جینا بھی بے خوف ہوتا ہے، مرنا بھی بے خوف ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس مہاجر کا یہ منظر دیکھ کر یہ ساری حقیقت بتادی اور اللہ کی شان یہ مہاجر اور یہ مصعب جو ایسے ناز و نعمت میں پلا ہوا اور ایسے فقر و فاقہ کی زندگی اُحد کے میدان میں اسلام کا جھنڈا اس نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا، کہا: "اسلام کا جھنڈا تیرے ہاتھ میں ہے۔" ایک کافر قریب آیا، ہاتھ کاٹ دیا، اس نوجوان نے وہ جھنڈا دوسرے ہاتھ میں لے لیا، اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو ملا لیا، سینے سے لگا لیا، جیتے جی زندگی میں اسلام کا جھنڈا گرنے نہیں دیا، اس نے تیر مارا شہید ہو گئے، دوسرے نے اٹھا لیا، لیکن اس نوجوان کو دیکھیے جیتے جی اسلام کا جھنڈا گرنے نہیں دیا، شہادت مل گئی۔

حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، یارسول اللہ (ﷺ)! مصعب شہید ہو گئے ہیں، کفن کوئی نہیں ہے، ایک ہی چادر ہے، سر کی طرف رکھتے ہیں، پاؤں کھلتے ہیں، پاؤں کی طرف رکھتے ہیں، سر کھلتا ہے، فرمایا: سر کی طرف چادر کر دو، پاؤں کی طرف اذخر کے پتے ڈال دو۔ آج بھی شہدائے اُحد۔۔۔ آپ کو بھی اللہ لے کر جاتا ہوگا، وہاں جا کر آپ فاتحہ پڑھتے ہیں، اس میں مصعب بھی لیٹے ہوئے ہیں، اس میدان میں وہ مصعب ہے، جو ناز و نعمت میں پلا ہوا مہاجر بنا، شہادت ملی۔

مسلمانوں کے سال کا آغاز ہجرت سے ہے، تاکہ اپنے بڑوں کا کردار میری نئی نسل کی آنکھوں کے سامنے رہے، اپنی مبارک ہستیوں کی مبارک زندگی نظروں میں رہے، کیوں شہادت کے طلب گار تھے؟ کیوں ہجرت کر رہے ہیں؟ یہ سبق ملا ہے مسلمانوں کو ہر سال کے آغاز میں اور ہر گھڑی اس تاریخ کی لکھی ہوئی ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے جان کیوں دی؟ یہ ساری قربانیوں کیوں پیش کیں؟ کتنے مسلمان ہیں جو اپنی زندگی کا ساٹھ سالہ ستر سالہ پچاس سالہ جو گزارا ہے، ذرا ایک جائزہ تو لے لیں، ہم نے اسلام کے لیے کیا لگایا ہے؟ ہم نے دین کے لیے کیا قربانی دی ہے؟ ہم نے مذہب کو کیا دیا ہے؟ فیکٹری کو دیا ہے۔ کارخانے کو دیا ہے۔ تجارت کو دیا ہے۔ اولاد کو دیا ہے۔ اسٹیٹس کو دیا ہے۔ شہرت کو دیا ہے۔ نام و نمود کو دیا ہے۔ اللہ مبارک فرمائے، لیکن زندگی میں جائزہ یہ بھی تو لیجیے، میں نے دین کو کیا دیا ہے؟ اور میں نے آج تک دینِ اسلام کے لیے کیا کیا ہے؟ میں نے اسلام کی اشاعت کے لیے آج تک کتنا لگایا ہے؟ صلاحیتیں کتنی لگائی ہیں؟ وسائل کتنے لگائے ہیں؟ قربانی کتنی دی ہے؟ بیٹا دیا ہے، اولاد دی ہے، دولت لگائی، عزت قربان کی ہے، وہاں تو عزت بھی قربان ہو رہی ہے، دولت بھی لگ رہی۔ تجارت بھی لگ رہی، گھر بھی لگ رہا، وطن بھی قربان ہو رہا ہے، جان بھی دی جا رہی ہے۔

مکے کا مشرک کہتا تھا، میں تو حاجیوں کی بڑی خدمت کرتا ہوں، سبیلیں لگاتا ہوں، دودھ کی سبیلیں لگاتا ہوں، ستو کی سبیلیں لگاتا ہوں، ٹھنڈے پانی کی۔۔۔ حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور جہاں سے بھی حاجی آتا ہے، سبیلیں لگاتا تھا، پانی پلاتا تھا، ستو پلاتا تھا، لسی پلایا کرتا تھا، دودھ پلایا کرتا تھا اور کہتا تھا مسجدِ حرام کی عمارت ہم نے بنائی ہے۔ اللہ رب العزت کہہ رہا ہے: ایمان کے بغیر اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جو ایمان لائے جان لگادی، مال لگا دیا، اللہ کی خاطر ہجرت کر لی، یہ ہیں کامیاب لوگ اللہ کے یہاں۔۔۔ ان کی قدر و قیمت ہے۔۔۔ اس لیے کہ ان کی نظروں میں اسلام کی قدر و قیمت ہے اور اس کی قدر و قیمت اتنی ہے کہ اس کی خاطر اپنی ہر چیز پیش کر دینا مال جان عزت، سعادت سمجھتے ہیں۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر دو صحابی نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں دعا کرتے ہیں اور دوسرا اپنے ساتھی کی دعا پر آمین کہے گا۔ ایک سعد بن ابی وقاص ہیں، ایک عبداللہ بن جحش ہیں، پہلے عبداللہ بن جحش دعا کرتے ہیں کہ "اُحد کا میدان ہے، ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، ایک طرف دشمن کی طاقت ہے اور کفر کی گندگی ہے، مقابلہ سخت ہے، میری دعا قبول کیجیے، ٹکراؤ ہو جائے بہادر کافر ہو، سخت ہو، اس کے اندر مخالفت کی انتہا ہو، وہ مجھ پر حملہ آور ہو، میں اس پر سخت حملہ کروں، پھر میں اس پر غالب ہو جاؤں اور اسے قتل کر دوں اور اس کا مالِ غنیمت حاصل کروں۔۔۔" عبداللہ ابن جحش نے یہ دعا کی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: آمین!! پھر حضرت سعد نے دعا کی کہ "اے اللہ! دشمن سے مڈبھیڑ ہو، مقابلہ سخت ہو، وہ زور کا حملہ کرے، میں بھی زور کا حملہ کروں، پھر اس کی طاقت آگے بڑھے اور وہ مجھے مار دے، شہید کر دے اور میرے جسم کے ٹکڑے کر دے، ناک کاٹ دے، کان کاٹ دے، اعضا کاٹ دے اور پھر تیرے دربار میں، میں حاضر ہوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ سعد کیا لے کر آئے ہو؟ پھر میں کہوں: اے اللہ! تیری خاطر یہ جسم کے ٹکڑے کرا کر لے آیا ہوں اور اے اللہ! پھر تو کہے کہ "اے سعد! تو سچ کہہ رہا ہے۔"

اُحد کا میدان سجتا ہے۔ عبداللہ ابن جحش کی دعا ویسے ہی قبول ہوتی ہے، جیسے دعا کی، سعد کی دعا ویسے قبول ہوتی ہے، جیسے سعد نے دعا کی۔ عبداللہ بن جحش کہتے ہیں: "شام کو میں نے دیکھا سعد کے جسم کے ٹکڑے دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں، اسے دیکھ کر میں رشک کرنے لگا، سعد کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔" ہجرت یہ سبق یاد دلاتی ہے، تمہارے آباؤ اجداد نے دین کی حفاظت، دین کی سربلندی کے لیے مال کیا چیز ہوتی ہے، عزت کیا چیز ہوتی ہے، جان کے ٹکڑے بھی پیش کیے ہیں، سب کچھ برداشت ہے، دینِ اسلام کے اندر کوتاہی آجائے، یہ برداشت نہیں ہے۔ یہ نئے سال کا آغاز ہے ہجرت۔۔۔ اللہ رب العزت اس سبق کو ہمیں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں پوری اسلامی، ایمانی زندگی عطا فرمائے۔ آمین!!

یہ قصہ اسیر بن جابر ہی نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: اس کے بعد اویس پورے کوفہ میں مشہور ہوگئے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت، آپ تو بہت عظیم شخص ہیں، ہم تو آپ کو پہچان ہی نہیں سکے، انھوں نے فرمایا: کوفہ کے ایک امیر کبیر طبقہ "اشراف" کا ایک رئیس حج کے لیے گیا۔ امیر المؤمنین نے اس سے اویسؒ کے بارے میں دریافت کیا، اس نے ان کے تذکرہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور یوں کہا: وہ تو معمولی ساز وسامان کے ساتھ بوسیدہ سے مکان میں رہتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نبی کریم ﷺ کی حدیث سنائی تو یہ شخص واپس آکر اویسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: آپ میرے لیے دعائے استغفار فرمادیجیے۔ انھوں نے فرمایا:

أنتَ أحدَثُ عَهدًا بِسَفَرٍ صَالِحٍ فَاسْتَغْفِرْ لِي

آپ ایک نیک بابرکت سفر سے ابھی ابھی واپس تشریف لائے ہیں، آپ میرے لیے استغفار فرمادیجیے!

اس نے پھر استغفار کی درخواست کی۔ اویسؒ نے پھر وہی جملہ کہا، اس طرح جب کئی دفعہ اصرار کیا تو اویسؒ سمجھ گئے، انھوں نے پوچھا: "کیا وہاں آپ کی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تھی؟" انھوں نے کہا: "جی۔" اویسؒ سمجھ گئے اور دعائے مغفرت فرمادی۔ اس سے (اور اس طرح کے دو چار واقعات سے) اویسؒ کی شہرت ہوگئی۔

صعصہ بن معاویہ کہتے ہیں: امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کوفہ سے آنے والے قافلوں کے متعلق پوچھتے تھے، اکثر لوگوں کو ان کا علم نہیں ہوتا تھا، ایک قافلے سے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو اس میں اویس کا وہی چچازاد بھائی بھی تھا جو ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا، عمر نے پوچھا: کیا تم اویس کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: جی امیر المؤمنین، میرا ایک چچازاد بھائی اویس ہے، لیکن وہ تو بالکل بے کار، فضول آدمی ہے، بظاہر آپ اس کو نہیں جانتے ہوں گے، شاید آپ کسی اور اویس کے متعلق پوچھنا چاہ رہے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلیہ وغیرہ بتایا تو وہ اویس نکلا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

وَيلَكَ هَلَكتَ! وَيلَكَ هَلَكتَ! إذا قَدِمتَ فَأقرِأهُ مِنِّي السَّلامَ، وَمُرهُ فَليَفِدْ إلَيَّ

تیرے لیے ہلاکت ہو، بربادی ہو، وہاں پہنچ کر اس کو میرا سلام کہنا اور بولنا کہ مجھ سے ملنے آئے۔

وہ چچازاد بھائی تو حواس باختہ ہوگیا اور اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں رہا، جب اس کو اویسؒ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث معلوم ہوئی۔ واپس آتے ہی گھر جانے سے پہلے، سفر کے کپڑے تبدیل کیے بغیر وہ مسجد پہنچا، وہاں اویسؒ تشریف رکھتے تھے، یہ ان سے لپٹ گیا اور کہا: میرے چچازاد بھائی! مجھے معاف کردو، میرے لیے استغفار کردو۔ انھوں نے فرمایا: اللہ تمھیں معاف کرے۔

پھر اس نے امیر المؤمنین کا سلام پہنچایا، انھوں نے پوچھا: امیر المؤمنین سے میرا تذکرہ کس نے کیا تھا؟ اس نے کہا: انہوں نے خود ہی تذکرہ کیا تھا اور وہ آپ کو اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ اویسؒ نے کہا: امیر المؤمنین کا حکم سر آنکھوں پر! اور پھر ان کے ملاقات کے لیے مدینے کا رُخ کیا۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

آخری قسط

حذیفہ رفیق

اس روایت سے یوں لگتا ہے جیسے اویسؒ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ نیز واقعات کی مجموعی شکل سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے بعد اویسؒ کوفہ میں شہرت یافتہ شخص بن گئے تھے، لوگ ان کے پاس ملنے آنے لگے تھے، بہت سے لوگوں کو براہِ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پتا چلی تھی، لیکن اس سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو واسطہ در واسطہ اس کا علم ہوا، وہ بھی ملنے اور دعائے استغفار کروانے حاضر ہونے لگے اور صرف کوفہ ہی نہیں، بلکہ کوفہ کے باہر سے لوگ صرف اویسؒ سے ملنے کے لیے آنے لگے تھے۔

بس پھر انھی دنوں میں انھوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی تھی، کیوں کہ یہ شہرت سے بہت دور رہنا چاہتے تھے، اسی لیے انھوں نے کوفہ شہر چھوڑ دیا۔

ہرم بن حیان کہتے ہیں: میں صرف اویس سے ملنے کے لیے کوفہ آیا تھا، میں ان کے بارے میں پوچھنے لگا، بتایا گیا کہ دریائے فرات کے ساحل پر ہوں گے۔ وہ وہاں وضو کر رہے تھے، میں نے ان سے کوئی حدیث سنانے کی درخواست کی، یہ سن کر وہ رونے لگے اور آپ ﷺ پر درود پڑھ کر فرمایا: "میں تو آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکا، آپ ﷺ کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں، عمر (رضی اللہ عنہ) وغیرہ، لیکن میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنانے کے قابل نہیں سمجھتا ہوں، نہ ہی کوئی وعظ و نصیحت کرنے کے قابل ہوں۔

ہرم نے ان سے کچھ قرآن سنانے کی درخواست کی، چناں چہ انھوں نے قرآن کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے، جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی ان کی حمایت کی جائے گی، ہاں مگر اللہ ہی کسی پر

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ بڑے ضروری کام سے تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا ملی جن کی کمر بھی جھک گئی تھی اور لاٹھی کے سہارے سے آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔

حضرت عمرؓ سے فرمایا: قِفْ یَا عُمَرُ! عمر ٹھہر جا! کہاں لپکا جارہا ہے؟ حضرت عمرؓ ٹھہر گئے اور بڑھیا لاٹھی کے سہارے سیدھی کھڑی ہوگئی اور فرمایا: اے عمر! میرے سامنے تیرے اوپر تین دور گزر چکے ہیں، ایک دور تو وہ تھا کہ تو سخت گرمی کے زمانے میں اونٹ چرایا کرتا تھا، اونٹ بھی چرانے نہیں آتے تھے۔ صبح سے شام تک حضرت عمرؓ اونٹ چرا کر آتے تو خطاب کی مار پڑتی تھی کہ اونٹوں کو اچھی طرح چرا کر کیوں نہیں لایا؟ ان کی بہن عمر کو یہ کہتی تھیں کہ عمر تجھ سے تو پھلی نہیں پھوٹتی۔۔۔ تو اس بڑھیا نے کہا کہ تو اونٹ چرایا کرتا تھا اور تیرے سر پر ٹاٹ کا یا کمبل کا ٹکڑا ہوتا تھا اور ہاتھ میں پتے جھاڑنے کا آنکڑا ہوتا تھا۔ دوسرا دور وہ آیا کہ لوگوں نے تجھے عمیر کہنا شروع کیا، اس لیے کہ ابو جہل کا نام بھی عمر تھا۔ اس کی طرف سے پابندی تھی کہ میرے نام پر نام نہ رکھا جائے۔ گھر والوں نے حضرت عمرؓ کے نام میں تصغیر کر کے عمیر کہنا شروع کر دیا تھا۔

2 ہجری میں غزوۂ بدر ہوا اور اس میں ابو جہل مارا گیا، اس وقت ان کو عمیر ہی کہا جاتا تھا۔ بڑھیا نے کہا کہ اب تیسرا دور یہ ہے کہ تجھے نہ کوئی عمیر کہتا ہے نہ عمر، بلکہ امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد بڑھیا نے کہا:

اِتَّقِ اللّٰہَ تَعَالٰی فِی الرَّعِیَّۃِ

رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ امیر المومنین بننا آسان ہے، مگر حق والے کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔ کل حقوق کے بارے میں بازپرست ہوگی، لہٰذا ہر حق والے کا حق ادا کرو۔ عمرؓ زار و قطار رو رہے ہیں، یہاں تک کہ ڈاڑھی مبارک سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ صحابہ جو ساتھ تھے، انھوں نے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا کہ بس تشریف لے جاؤ۔ حضرت عمرؓ کے رونے کی وجہ سے زبان بھی نہ اُٹھ سکی، اشارہ سے ہی منع فرمایا کہ ان کو فرمانے دو جو فرما رہی ہیں۔

جب وہ چلی گئیں، تب صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ بڑھیا کون تھی؟ جس نے آپ کا اتنا وقت ضایع کیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ ساری رات کھڑی رہتی تو عمر یہاں سے سرکنے والا نہیں تھا، بجز فجر کی نماز کے۔۔۔ یہ بی بی صاحبہ خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں، جن کی بات کی شنوائی ساتویں آسمان کے اوپر ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰہِ (المجادلہ: 1)

ترجمہ: بالیقین اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کے آگے جھینگ رہی تھی۔

فرمایا: عمر کی کیا مجال تھی کہ ان کی بات نہ سنے، جن کی بات ساتویں آسمان کے اوپر سنی گئی۔

رحم فرمائے، بے شک وہ زبردست ہے، رحیم ہے۔

پھر اویسؒ نے فرمایا: اے ہرم بن حیان، تمہارے والد بھی دنیا سے چلے گئے اور عن قریب تم بھی مر جاؤ گے، پھر یا تو جنت ہے یا آگ ہے۔ آدم بھی مر گئے، حوّا کو بھی موت نے آلیا، ابراہیم، موسیٰ اور نبی کریم محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام سب ہی پر موت آ گئی۔ مسلمانوں کے خلیفہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) بھی انتقال کر گئے۔ اس کے بعد ہلکی آواز میں کچھ دعا مانگنے لگے۔

اویس قرنیؒ اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ نہیں آسکے، جس کی وجہ سے صحابیت کا شرف نہیں ملا، لیکن اس عظیم عمل یعنی ماں کی خدمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنا عظیم رتبہ عطا فرمایا کہ صحابہ کو حکم ہوا کہ اویسؒ سے دعائے مغفرت کروائیں۔

نماز بالخصوص نوافل کا بہت زبردست ذوق اور مزاج تھا، ایک شام کو کہتے: آج رکوع کی رات ہے، پھر ساری رات صبح تک رکوع میں گزار دیتے، اگلی شام کہتے: آج سجدے کی رات ہے اور صبح تک سجدے میں پڑے رہتے۔

شام کے وقت اگر گھر میں ضرورت سے زائد کھانے پینے کا سامان ہوتا تو وہ صدقہ فرما دیتے اور زائد کپڑے بھی صدقہ فرما دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھار تو ایسا لباس بھی میسر نہیں ہوتا تھا، جسے پہن کر کسی مجلس میں جا سکیں۔ فرماتے: اے اللہ! اگر کوئی بھوک سے مر جائے یا لباس کی قِلّت کا شکار ہو تو اس بارے میں میری پکڑ مت فرمائے گا۔

شعبیؒ فرماتے ہیں: ان کے قبیلے مراد کے ایک آدمی نے ان سے حال پوچھا، فرمانے لگے: میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں، پھر پوچھا: زمانہ کیسا گزر رہا ہے؟ فرمانے لگے: اس کے شب و روز کیسے گزریں گے، جسے صبح یہ کھٹکا ہے کہ وہ شام نہیں کر سکے گا اور شام یہ کھٹکا ہے کہ صبح نہیں کر سکے گا، پھر یا تو جنت کی خوش خبری ہے یا جہنم کا پیغام ہے۔

اے میرے مرادی بھائی! موت اور اس کے تذکرہ نے مومن کے لیے کوئی خوشی چھوڑی ہی نہیں ہے اور اس کے مال میں اللہ کے حقوق نے کوئی سونا چاندی چھوڑا ہی نہیں ہے اور اللہ کا حق ادا کرنے کی فکر اور کوشش نے کوئی دوست چھوڑا ہی نہیں ہے۔

صفر 37ھ میں جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے اور اسی میں شہید ہوئے۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A **trusted name** in jewellery since 1974

from dainty to bold

We've got a ring for every **style** & **occasion**.

newzaibyjewellers

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi

021 35835455, 35835488

سرمایہ کاری کے منتظم کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا

سوال: میں نے ایک دوست کو کاروبار کے لیے پیسے دیے تھے، وہ باہر سے مال منگواتا ہے اور یہاں فروخت کرتا ہے، مگر اس وقت اس کا ہاتھ تنگ تھا، وہ میرے پاس آیا اور کاروبار میں لگانے کے لیے رقم مانگی اور ہر طرح اصل سرمایہ اور نفع کی امید دلائی۔ کاروبار یہ تھا کہ باہر سے کاغذ منگوا کر فروخت کرنا تھا۔ اس کے اصرار پر میں راضی ہوا۔ طے یہ ہوا کہ آدھا نفع وہ رکھے گا اور آدھا مجھے دے گا۔ میرے اطمینان کے لیے اس نے ایک اسٹامپ پر لکھ کر دیا کہ اگر نقصان ہو جائے تو وہ ذمہ دار ہوگا اور اگر نفع ہوگا تو اس میں دونوں آدھے آدھے کے شریک ہوں گے۔ اب میرے دوست کا کہنا ہے کہ حالیہ بارشوں میں اس کا مال خراب ہو گیا، جس کی وجہ سے نقصان ہو گیا ہے۔ اب وہ سرمایہ کے لوٹانے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے جب کہ وہ لکھ کر مجھے دے چکا ہے۔ میں چاہوں تو قانون کے زور پر بھی اس سے وصولی کر سکتا ہوں، مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ آپ بتائیں کہ وہ کم از کم میرا اصل سرمایہ لوٹانے کا پابند ہے یا نہیں؟

جواب: کاروبار میں اس طور پر شرکت کرنا کہ ایک فریق کی جانب سے سرمایہ ہو اور دوسرے فریق کی جانب سے محنت ہو، اسے شریعت کی زبان میں "مضاربت" کہا جاتا ہے۔ مضاربت میں جو فریق سرمایہ کو استعمال میں لا کر کاروبار کرتا ہے، اسے "مضارب" کہتے ہیں۔ مضارب کی حیثیت امین کی ہوتی ہے، اس لیے اگر وہ زیادتی یا کوتاہی نہ کرے اور نہ ہی طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کرے، اس کے باوجود کاروبار میں نقصان ہو جائے تو وہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اگر اسے معاہدہ میں بہر صورت نقصان کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو یہ شرط ناجائز ہے۔

آپ کے معاہدے میں چوں کہ دوست کو نقصان کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، اس لیے یہ شرط ناجائز تھی۔ اب چوں کہ دوست کا موقف ہے کہ نقصان ہو چکا ہے، اس لیے امین ہونے کی حیثیت سے اس کی بات کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ اگر آپ کو نقصان ہونے سے انکار ہے تو پھر مضارب (آپ کے دوست) کو گواہ یا دستاویز کے ذریعہ نقصان ثابت کرنا پڑے گا، اگر وہ نقصان کو ثابت کر دے تو بہتر اور اگر وہ نقصان ثابت نہیں کر سکا تو آپ پر قسم آئے گی، اگر آپ قسم اٹھالیں گے تو آپ کے دوست کو اصل سرمایہ واپس کرنا پڑے گا۔

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

کمپنی (Kalpay) سے معاہدہ کرنے کا حکم

سوال: ایک کاروباری مسئلہ میں شرعی راہ نمائی درکار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا الیکٹرانک آئٹم کا کاروبار ہے، ہم اپنی پراڈکٹ مختلف پلیٹ فارمز کے ذریعہ فروخت کرتے ہیں، جس میں سے ایک طریقہ "OnlineECommerce" کا بھی ہے، جس میں ہم اپنی پراڈکٹ اپنی ویب سائٹ اور دیگر اس طرح کی مارکیٹ سے آن لائن فروخت کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں ہم اپنے کسٹمرز کو زیادہ سے زیادہ سہولیات دے سکیں، تاکہ کسٹمر کی ضرورت بھی پوری ہو اور ہمارے کسٹمرز کی تعداد بھی بڑھے، اس سہولت کے پیش نظر ایک طریقہ قسطوں (instalment) پر اشیا فروخت کرنے کا ہے، چوں کہ ہم خود مختلف وجوہات کی بنا پر یہ طریقہ اختیار نہیں کرتے، اس لیے اس سہولت کو حاصل کرنے کے لیے ہم نے انسٹالمنٹ کی سہولت فراہم کرنے والی کمپنی سے بات چیت کی ہے، ان میں ایک کمپنی "KalPay" ہے۔ انھوں نے جو ہمیں اپنا طریقہ کار بتایا اور اپنا ایگریمنٹ بھی دیا (جو استفتاء کے ساتھ منسلک ہے) اور زبانی طور پر بھی ہم نے ان سے تفصیلات معلوم کی، جس کا حاصل یہ ہے:

اگر کسی کسٹمر کو ہماری پراڈکٹ چاہیے ہو تو وہ ہماری ویب سائٹ پر آئے گا اور وہاں کسی بھی پراڈکٹ کو خریدے گا، اس کے بعد اس چیز کی قیمت ادا کرنے کے لیے اس کے پاس مختلف آپشن میں سے ایک "KalPay" کا آپشن ہوگا، اگر وہ اس آپشن کو منتخب کرے تو "KalPay" اس پراڈکٹ کی مکمل قیمت (سروس چارجز کاٹ کر) ہمیں ادا کر دے گا اور اس کسٹمر سے وہ رقم دو، تین یا چار ماہ کی قسطوں میں وصول کرلے گا، اس کے عوض وہ کسٹمر سے کسی قسم کے چارجز نہیں لے گا اور وہ ہم سے فی پراڈکٹ 5% سروس چارجز لے گا۔

اس کا فائدہ کسٹمر کو یہ ہوگا کہ اس کو جو پراڈکٹ نقد میں جتنے کی ملتی تھی، اتنی ہی قیمت میں اس کو وہ پراڈکٹ قسطوں پر مل جائے گی اور اس کو کسی قسم کے اضافی چارجز ادا نہیں کرنے ہوں گے اور ہمیں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں اپنی پراڈکٹ کے مکمل پیسے فوری مل جائیں گے، جس سے ہمارے کسٹمر کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور ہمارا پیمنٹ وصول کرنے کا رسک ختم ہو جائے گا۔

نوٹ: "KalPay" کے منسلکہ ایگریمنٹ اور ان سے بات چیت کرنے سے مزید جو باتیں واضح ہوئی وہ درج ذیل ہیں:

1. "KalPay" ہم سے خرید وفروخت کا معاملہ نہیں کرتا، بلکہ صرف پیمنٹ کی ادائیگی کی سروس فراہم کرتا ہے، خرید وفروخت کی انوائس بھی عام خریداروں کی طرح ہمارے اور کسٹمر کے درمیان کی ہی بنتی ہے۔
2. KalPay ہماری پراڈکٹ کی باقاعدہ مارکیٹنگ نہیں کرتا، کسٹمر ہمارے اسٹور سے ہی سامان خریدتا ہے، البتہ صرف پیمنٹ کے طریقہ میں KalPay کے آپشن کا اضافہ ہو جاتا ہے، تاہم یہ ممکن ہے کہ بالواسطہ ایک قسم کی مارکیٹنگ خود ہی ہو جاتی ہے۔
3. اگر کسٹمر پیمنٹ (یعنی قسطوں کی ادائیگی) نہیں کر سکا تو ہماری ذمہ داری نہیں ہوگی، بلکہ یہ "KalPay" کی ذمہ داری ہوگی، ہم 5% سروس چارجز دے کر اس پیمنٹ کے رسک سے بری ہو جاتے ہیں۔
4. کسٹمر اگر وقت پر پیمنٹ نہیں کر سکا، یا وہ درمیان میں ماہانہ اقساط بڑھانا چاہے تو اس پر اضافی رقم لاگو ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیلات کی روشنی میں آپ سے یہ درخواست ہے کہ ہمیں اپنے کسٹمرز کو سہولت دینے کے لیے "KalPay" سے مذکورہ معاملہ کرنا کیسا ہے؟ اگر شرعاً یہ جائز ہو تو ہم ان سے کام شروع کر دیں اور اگر ناجائز ہو تو اس کا اگر کوئی حل ممکن ہو تو اس کی راہ نمائی فرما دیں۔

● بقیہ صفحہ نمبر 15 پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے شفقت

عبدالحفیظ شاہد

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نماز پڑھانے کھڑا ہوتا ہوں تو ارادہ کرتا ہوں کہ اُسے طول دوں، لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ (اس کے رونے سے) اُس کی ماں کے لیے تکلیف کا باعث بنوں۔“ (امام بخاری، ابو داود، نسائی، احمد)

نبی کریم ﷺ، خاتم النبیین ﷺ، شفیع المذنبین ﷺ، انیس الغریبین ﷺ کی بعثت ایک انقلاب آفریں بعثت ہے، آپ ﷺ کی بعثت سے دنیا میں تمام ظلمتیں چھٹ گئیں، دنیا جو ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی پُر نور اور روشن ہو گئی۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہر شخص کے لیے زندگی کے خوبصورت پہلو موجود ہیں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کے لازوال واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ بہت محبت اور کرم نوازی سے پیش آتے تھے۔ شفقت و محبت کا معاملہ تھا کہ آپ ﷺ راستہ چلتے بچوں کو سلام کیا کرتے کہ

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: اَنَّہٗ مَرَّ عَلٰی صِبْیَانٍ، فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ، وَقَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَفعلُہٗ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔“ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِی قَتَادَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ کَانَ یُصَلِّی وَھُوَ حَامِلٌ اُمَامَۃَ بِنْتَ زَیْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ وَلِاَبِی الْعَاصِ بْنِ الرَّبِیْعِ فَإِذَا قَامَ حَمَلَھَا وَاِذَا سَجَدَ وَضَعَھَا (البخاری)

ترجمہ: ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نماز پڑھتے تھے اور آپ اسی حالت میں زینب بنتِ رسول ﷺ اور ابو العاص بن ربیعہ بن عبدالشمس کی بیٹی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اٹھائے ہوئے تھے، جب سجدہ کرتے تو ان کو اتار دیتے (بخاری) (یہ حضورِ اکرم ﷺ کی نواسی تھیں اور حضورِ اکرم ﷺ کی نماز کے دوران یہ خود ہی چڑھ جاتی تھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں، جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے) ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ بچوں کی محبت و شفقت آپ ﷺ کے ذاتِ اقدس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے بچوں کے خوب صورت اور پیارے نام رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپ اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ بچوں کے نام اچھے اور با معنی رکھے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام ”حرب“ رکھا، آپ نے فرمایا: ”نہیں ان کا نام ”حسن“ ہوگا، پھر جب حضرت حسین ﷺ پیدا ہوئے تو آپ نے نام پوچھا، میں نے پھر وہی کہا ”حرب“ آپ نے فرمایا: نہیں اس کا نام ”حسین“ ہوگا، پھر جب تیسرے صاحب زادے پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام ”حرب“ رکھنا چاہا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں اس کا نام ”محسن“ ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

بچے انتہائی معصوم ہوتے ہیں، وہ اس چمنستانِ عالم میں رنگ برنگے پھولوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی وجہ سے رونقِ جہاں قائم و دائم ہے، ان کی ایک ایک ادا ماں باپ کے لیے آبِ حیات کی حیثیت رکھتی ہے، ان ہی کی خاطر ماں باپ دن کا چین اور رات کی نیند حرام کیے دیتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ آپ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما سے کھیلتے، ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر انھیں اپنے سینے پر چڑھا لیتے، پھر ان کا بوسہ لیتے۔ (طبرانی فی الکبیر) ایسا بھی ہوا کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو پشتِ مبارک پر سوار کر لیا اور فرمایا: ”تمہاری سواری کیا بہتر سواری ہے اور تم دونوں کیا ہی بہتر سوار ہو؟“

ویسے تو ماں باپ کو اپنے بچوں سے محبت اور شفقت ضرور ہوتی ہے، لیکن کچھ ظالم باپ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی انا پسندی اور خود ساختہ رعب اور دبدبہ میں کچھ ایسے مگن ہوتے ہیں کہ انھیں بچوں کی جانب نظرِ التفات کا یا تو موقع ہی نہیں ہوتا یا اس کو اپنے بڑے پن کے خلاف باور کرتے ہیں، یہ تو اپنے بچوں کے ساتھ شفقت اور برتاؤ کی صورتِ حال ہے اور غیروں کے بچے تو ہمیں بالکل نہیں بھاتے، جہاں کوئی بچہ نظر آگیا اس کو بڑی ترچھی اور ترش نگاہ سے دیکھ کر اس میں رعب پیدا کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا (ترمذی)

”جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا، وہ ہم سے نہیں“

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر، جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادگان تھے کو ایک صف میں کھڑا کرتے اور فرماتے کہ جو میرے پاس پہلے آئے گا، اسے یہ یہ ملے گا، چناں چہ یہ سب دوڑ کر نبی ﷺ کے پاس آتے، کوئی پشت پر گرتا اور کوئی سینۂ مبارک پر آ کر گرتا، نبی ﷺ انھیں پیار کرتے اور اپنے جسم کے ساتھ لگاتے (مسند احمد بن حنبل) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تو سامنے سے کچھ بچے آئے تو آپ ﷺ نے ان بچوں میں سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ عطار کے ڈبہ سے ہاتھ باہر نکالا ہو۔ (صحیح مسلم)

آپ ﷺ بچوں کو جس قسم کے محبت بھرے اور رسیلے

الفاظ سے مخاطب فرماتے بجائے یہ جملے خود آپ ﷺ کے بچوں کے ساتھ برتاؤ شفقت کی اعلیٰ مثال ہیں:

آپ ﷺ بچوں کو اس قسم کے الفاظ سے مخاطب فرماتے تھے يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ (بیٹے میں تم کو چند باتیں سکھانا چاہتا ہوں) اور ایک روایت میں یوں مخاطب فرمایا: يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ (اے لڑکے! اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ) اور ایک روایت میں بچے کو مخاطب کر کے فرمایا: يَا غُلَامُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ؟ (اے لڑکے! کیا تم بڑوں کو دینے کی اجازت دیتے ہو؟) اور کبھی بچوں کو یوں مخاطب فرماتے يَا بُنَيَّ (اے میرے عزیز!) کبھی آپ ﷺ کنیت سے مخاطب فرماتے جیسا حضرت عمیر سے فرمایا يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ (اے ابو عمیر! تمہارے نُغَیر نامی پرندے کا کیا ہوا؟)

آپ ﷺ کا بچوں کا ساتھ مشفقانہ برتاؤ یہ ہر شخص کے لیے رہنما و رہبر کی حیثیت رکھتا ہے، بسا اوقات حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کے بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کے برتاؤ اور ان کے ساتھ مزاح و مذاق کو دیکھ کر تعجب بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ بھی اس قدر بڑی شخصیت اور پیغمبر اور رسالت کے مقام پر فائز ہو کر بھی بچوں کے ساتھ اس قدر رحمت و شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ تاریخِ عالم اُس محبت، پیار اور شفقت کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، جو حضور ﷺ نے بچوں کے ساتھ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور اَن گِنَت ذمہ داریوں کے باوجود اپنی مبارک زندگی کو جس حُسن و خوبی کے ساتھ گزارا جب تک نسلِ انسانی کا وجود قائم ہے، بچوں سے محبت و اُلفت کا یہ کامل نمونہ شمع ہدایت بن کر چمکتا رہے گا۔

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

جواب: سوال میں بیان کردہ صورت اور منسلک معاہدہ کے مندرجات کے مطابق kalpay کمپنی کے معاملات کے شرعی حکم کا تعلق کمپنی کے مندرجہ ذیل معاملات سے ہے:

1 بیچنے والے (سائل) کو یہ سہولت فراہم کرے گی کہ وہ خریدار پر واجب الادا رقم سائل کو نقد میں ادا کردے گی اور خریدار سے وصولی کی مکمل ذمہ داری خود لے لے گی، حتیٰ کہ اگر خریدار رقم ادا نہیں کرتا ہے تو kalpay کو سائل سے وصولی کا بھی اختیار نہیں ہوگا۔

2 اس سہولت کے عوض kalpay کمپنی سائل سے اس معاہدہ کے مطابق 5 فیصد سروس چارجز وصول کرے گی اور اس سروس چارجز کی وصولی کا طریقہ یہ ہوگا کہ kalpay سائل کو رقم کی ادائیگی کے وقت یہ 5 فیصد منہا کر کے ہی ادا کرے گی۔

3 اسی طرح kalpay کمپنی خریدار سے وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں یا اقساط بڑھانے کی صورت میں اضافی رقم وصول کرے گی۔

اب نمبر وار کمپنی کے مذکورہ تینوں معاملوں کا شرعی حکم بیان کیا جاتا ہے:

4 (kalpay) کمپنی کا سائل (بیچنے والے) کو سامان کی مکمل قیمت ادا کر دینا اور وصولی کی مکمل ذمہ داری خود لینا (حتی کہ وصولی نہ ہونے کی صورت میں بھی سائل سے مطالبہ کا اختیار نہ ہونا) شرعاً یہ دَین (ادھار) کی خرید و فروخت کا معاملہ ہے، یعنی kalpay کمپنی سائل سے اس کا ادھار (وہ دَین جو سامان کی خریداری کے عوض ہے) خرید لیتی ہے، گویا کہ اب kalpay کمپنی کا ادھار (دَین) اس خریدار پر ہے اور سائل کا اب اس ادھار سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی وجہ سے خریدار کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی سائل پر کسی قسم کا مالی بوجھ نہیں ہے۔ اس طرح ادھار (دَین) کی خریداری درست نہیں ہے اور یہ بیع شرعاً باطل ہے، لہٰذا یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

kalpay کمپنی جو 5 فیصد سروس چارجز سائل سے لیتی ہے، وہ اس نقد ادائیگی کی سہولت کے عوض لیتی ہے، یعنی kalpay جو سائل سے اس کا ادھار (دَین) خریدتی ہے، اس پر 5 فیصد سروس چارجز لیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ kalpay سائل سے اس کا زیادہ قیمت کا ادھار (دَین) کم قیمت پر خرید لیتی ہے (مثلاً 100 روپے کا ادھار 95 روپے میں خرید لیتی ہے)۔ اوّل شق نمبر: 1 میں گزر چکا کہ یہ ادھار خریداری کا معاملہ ہی درست نہیں ہے اور کم قیمت پر خریدنا اس کو سودی معاملہ بھی بنا دے گا، کیوں کہ نتیجہ کے اعتبار سے 100 روپے کے عوض 95 روپے خرید رہی ہے، لہٰذا اس معاملہ میں سودی معاملہ کا گناہ بھی ہوگا۔ 3 Kalpay کمپنی کا وقت پر قیمت کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اور قسطوں کی تعداد بڑھانے کی صورت میں اضافی رقم لینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ بھی سود ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ kalpay کمپنی کے مذکورہ تینوں معاملات ناجائز ہیں اور نمبر 2 اور 3 سودی معاملے ہیں، لہٰذا اس کمپنی کا کاروبار کا طریقۂ کار درست نہیں ہے، اس لیے اس کمپنی کے ساتھ منسلکہ معاہدہ کے مطابق معاملہ کرنا جائز نہیں ہے اور کمپنی کے معاملہ نمبر 1 اور 2 میں سائل براہِ راست شریک ہوگا، کیوں کہ ادھار (دَین) کی خریداری کا معاملہ سائل سے ہی ہوگا اور سائل ہی سروس چارجز کی شکل میں سود کی ادائیگی kalpay کو کرے گا اور معاملہ نمبر 3 میں سائل براہِ راست شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ اضافی رقم kalpay کمپنی خریدار سے لے گی، لیکن اس معاہدہ کی رو سے اس سودی معاملہ پر سائل کی رضامندی ضرور شامل ہو جائے گی اور سودی معاملہ میں معاون بن جائے گا۔ مذکورہ معاملہ جس میں بیچنے والے کو نقد مکمل رقم مل جائے اور خریدار کو ادھار پر سامان مل جائے اور kalpay کو مطلوبہ نفع مل جائے کی متبادل صورت یہ ممکن ہے کہ kalpay کمپنی سائل سے مطلوبہ سامان خرید لے اور قبضہ بھی کر لے (قبضہ کی جو صورت ممکن ہو مثلاً kalpay کمپنی کا کوئی نمائندہ سائل کے پاس آ کر سامان پر قبضہ لے لے یا kalpay کمپنی اپنے کسی گودام وغیرہ میں وہ سامان منگوالے یا جو ممکنہ صورت ہو) اور پھر kalpay کمپنی خریدے ہوئے مال کو خریدار کے ہاتھ مثلاً: پانچ فیصد نفع شامل کر کے کل قیمت متعین کر کے ادھار پر فروخت کر دے۔ ادھار فروخت کرتے وقت قسطیں طے کر لے اور قسطوں میں تاخیر کی صورت میں قیمت میں کسی قسم کا اضافہ نہ کرے، یعنی جب کوئی خریدار سامان خریدنے کا ارادہ ظاہر کرے اور ادھار پر خریدنا چاہتا ہو تو سائل اس کو مال فروخت نہ کرے، بلکہ سائل kalpay کو سامان فروخت کرے اور kalpay اس سامان پر قبضہ کر لے اور پھر kalpay اس خریدار کو قیمت میں اضافہ کر کے سامان فروخت کرے۔ kalpay کم قیمت پر سائل سے خریدے اور قبضہ کرنے کے بعد زیادہ قیمت پر خریدار کو فروخت کرے، بعد میں کسی وجہ سے اضافہ نہ کرے۔ ایسا کرنے کی صورت میں سائل کو مکمل رقم نقد کی صورت میں مل جائے گی، خریدار کو سامان ادھار مل جائے گا اور kalpay کمپنی کو 5 فیصد یا جتنا نفع لینا چاہے مل جائے گا اور سائل کی بکری میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

عافیہ سے رشتہ کیا؟ لا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہ

عصمت اسامہ

قرنطینہ دور نے دنیا کو سمجھا دیا کہ قید و بند کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ ایک آزاد انسان جب محبوس ہو جائے تو اس کی نفسیاتی و جسمانی حالت کیا ہو جاتی ہے، لیکن کچھ نفوس ایسے بھی ہیں جو ایک طویل مدّت سے قید کی حالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک نام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عافیہ صدیقی کا بھی ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ڈاکٹر عافیہ جو حافظہ قرآن بھی ہیں، وہ 2 مارچ 1972 کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی جبکہ اعلیٰ تعلیم امریکا میں میساچوسٹس ادارہ ٹیکنالوجی (MIT) سے حاصل کی اور یہیں سے علم الاعصاب میں Ph.D کی سند حاصل کی۔ ڈاکٹر عافیہ امریکا میں تقریباً بارہ سال رہیں، آپ نے وہاں مختلف رفاہی اداروں میں انسانیت کی خدمت کا کام کیا، آپ جیلوں میں قیدیوں کو قرآن پاک کا تحفہ دیا کرتی تھیں۔ آپ مصیبت زدوں کے لیے فنڈ جمع کر کے ان کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ آپ کی علمی قابلیت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا جذبہ بھی بدرجہ اُتم موجود تھا، آپ کو امریکی یونیورسٹیوں میں اسلامی لیکچرز دینے کے لیے بلایا جاتا تھا۔ آپ دنیا کو رائج نظامِ تعلیم کا متبادل نظام بنا کر دینا چاہتی تھیں۔ آپ اپنے وطن میں کراچی کے قریب ایک "شہرِ علم" بسانا چاہتی تھیں، لیکن افسوس! یہ ارادے پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ عافیہ کو 30 مارچ 2003ء میں اس وقت اغوا کیا گیا، جب وہ اپنے تین بچوں کے ساتھ ایئر پورٹ جا رہی تھیں۔ اس کے بعد انھیں بگرام جیل میں رکھا گیا۔ دورانِ قید عافیہ کو گولیوں کا نشانہ بنا کے زخمی کر دیا گیا۔ اس کا انکشاف سب سے پہلے امریکی صحافی آیوون ریڈلی نے کیا کہ بگرام جیل میں قیدی نمبر 650 پاکستانی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے، جو بری حالت میں ہے۔ میڈیا میں شور مچنے پر ڈاکٹر عافیہ کو امریکا لے جایا گیا، تاکہ ان پر امریکی عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکے۔ 23 ستمبر 2010ء میں نیویارک عدالت نے ڈاکٹر عافیہ کو ۸۶ سال عمر قید کی سزا سنائی جبکہ جرم کے شواہد اور ثبوت بھی موجود نہ تھے۔ بقول ڈاکٹر فوزیہ صدیقی جو عافیہ کی بہن ہیں، وہ گن جس کے بارے میں بتایا گیا کہ اسے نازک سی عافیہ نے لمبے تڑنگے امریکی فوجی کے ہاتھ سے چھینا اور فایر کرنے کی کوشش کی، اس گن پر عافیہ کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود نہیں تھے اور وہ امریکی فوجی بالکل صحیح سلامت تھا، جبکہ عافیہ شدید زخمی تھی۔

ہماری تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ کبھی محمد بن قاسم بھی یہاں کسی مسلمان بہن کی پکار پر آیا تھا اور اس کو رہائی دلوائی تھی۔ آج اگر ہم تک اسلام پہنچا ہے تو کسی مسلمان بیٹی کی چادر کے صدقے ہی پہنچا ہے!!

عافیہ صرف ایک پاکستانی مسلمان بیٹی ہی نہیں ہے، بلکہ وہ پاکستان کی عزّت بھی ہے، وہ پاکستان کا وقار بھی ہے، وہ پاکستان کی غیرت بھی ہے، وہ پاکستان کا پرچم بھی ہے، وہ اس دھرتی ماں کے جسم کا ٹکڑا بھی ہے، جس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے!!

اے میری قوم! کیا ہم بھول گئے، قرآن میں بیان کردہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو؟ جس کے بارے میں حکم تھا کہ اسے کوئی کچھ نہ کہے، لیکن جب قوم نے اسے مار ڈالا تو پھر وہ قوم تباہ کر دی گئی!!

اگر آج ہم نے عافیہ کی رہائی کے لیے کچھ نہ کیا تو اس کے قتل میں شریک سمجھے جائیں گے اور تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی!

ایک سنجیدہ طبقہ یہ سوال کرتا ہے کہ ہم ڈاکٹر عافیہ کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ گزارش ہے کہ وہ پاکستان کی بیٹی ہے تو پاکستان کو اس کو رہا کروانا چاہیے۔ قوم میڈیا کو آواز بنائے۔ حکومتِ پاکستان باضابطہ طور پر اس کی رہائی کے لیے امریکی حکومت سے درخواست کرے تو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ڈاکٹر عافیہ کی رہائی ممکن ہو سکتی ہے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا فرمان ہے:

"جو قوم اپنے شہیدوں اور مظلوم بیٹیوں کو بھول جائے،
اس قوم کی قسمت میں کفّار کی غلامی لکھ دی جاتی ہے!"

سوال ہے عافیہ

امۃ اللہ

مسلسل گھڑی کی ٹِک ٹِک دماغ میں ایک سُرنگ کی مانند آوازوں کا تسلسل جاری تھا۔ فٹ پاتھ پر چلتے کئی چہرے کئی رنگ کئی منظر دنیا کی روانی پر تصویر پیش کر رہے تھے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کہ چلا آرہا تھا۔ ایک چھوٹے موٹے چور کو قید کی سزا پھر اگلے دن اس کی رہائی قانون پر بات کرنے والے باتوں کے کٹہرے میں وہی پیشیاں اور پھر وہی رہائی۔ سڑک پر چلنے والے دو شخص اور ان کی وہی باتیں، مولوی دقیانوس، ڈاکٹر انجینئر قوم کے معمار، حکیم صاحب یہ نسخہ ہمیں بتا دیں، آپ اپنے ساتھ کیا قبر میں لے کر جائیں گے؟

ڈاکٹر صاحب اس پرچی میں کیا لکھا ہے؟ ذرا بتا دیجیے، درزی اپنے گاہکوں سے آپ چلیے ہم پر بھروسہ رکھیے، کپڑا پورا پورا ملے گا۔ موچی جوتا رگڑنے میں مصروف، پرچون کی دکان پر بیٹھے چچا بسّا کی وہی ٹوٹی بینچ اور روزنامہ اخبار اور ایک پیالی چائے۔۔۔ اس پر چائے کی چسکی لگا کر بڑے مطمئن سے انداز میں خبر کی سرخی پر تبصرہ کرنے لگے۔ ہاں بھائی! یہ عافیہ صدیقی کا کیا بنا؟ آہ! ایسا لاپرواہ سا لہجہ اور قوم کی ناموس عافیہ اِک گوہرِ نایاب عافیہ!! میرے دماغ میں وہی منظر گھوم گیا، جب اللہ کے نبی ﷺ اللہ کے حضور اس اُمت کے لیے دعائیں کر رہے تھے اور جواب آیا۔۔۔ یہ قوم آپس کے جھگڑوں سے ہلاک ہو گی۔ اغیار چاروں جانب سے بھی گھیر لیں گے تو غالب نہ آسکیں گے۔ آج ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم خود اپنی عمارت کی بکھری ہوئی اینٹوں کے درد مند نہیں۔ ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہمیں معاشی استحکام ملے، بجلی کا بحران کم ہو، لوڈشیڈنگ پانی گیس کے مسائل۔۔۔ مسئلہ ہمارا یہ ہے کہ ہم باطنی طور پر مضمحل ہیں؟ ایمانی ترقی تو دور، ایمانی حلاوتوں سے بھی دور ہیں۔ مسئلہ تمہارا یہ نہیں ہے کہ مصیبت زدہ ہیں W، مجبور ہیں۔۔۔ مسئلہ ہمارا یہ ہے کہ مصیبت زدہ پر مطمئن ہیں، مومن جو کبھی ایک عمارت کی مانند تھا۔ آج اس عمارت کے حصے کر کے بیچ رہا ہے۔ اغیار کو گلے لگا رہا ہے، اپنوں کے درد سے عاری ہے۔ آج ضرورت ہے عافیہ کو ہماری۔۔۔

ہماری ایمانی غیرت پر سوال ہے عافیہ!!
ہمارے جھوٹے دعوے جن پر اک اشکال ہے عافیہ!!
عافیہ ہمارا مان، ہماری عزت ہے عافیہ!!
اس کے جھڑتے ہوئے مصیبت سے سفید بال اور
غموں کے بوجھ ظلم و ستم سے جھکتی ہوئی کمر
ہمارے ایمان پر سوال ہے عافیہ!!

پھلوں سے ملاقات

حکیم شمیم احمد

پہلی قسط

آم پھلوں کا بادشاہ

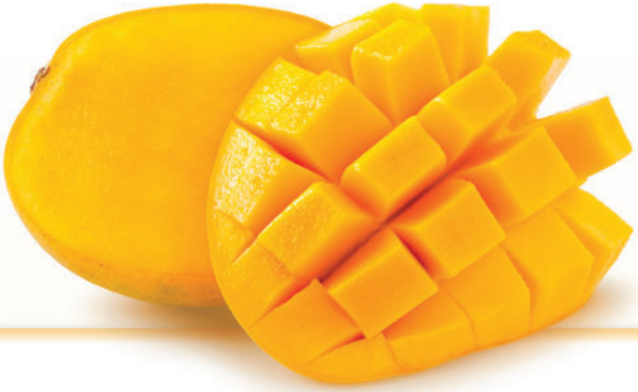

آم مرغوب اور پسندیدہ پھل

پھلوں کا بادشاہ آم سبھی کو مرغوب اور پسند ہے۔اس کی کئی اقسام ہیں، ہر قسم کی خوشبو، ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔آم کھانے کے شوقین اس پھل پر نظر ڈالتے ہی ان کی اقسام کا اندازہ بخوبی لگا لیتے ہیں۔اس کی تمام اقسام اپنے ناموں سے بخوبی پہچانی جاتی ہیں۔

سفید رنگ کی خوبصورت سی گری

آم کھا کر اس کی گٹھلی چوس کر خشک کرنے کی غرض سے محفوظ جگہ پر رکھ دیں۔خشک شدہ گٹھلیاں اچھی طرح صاف کر لیں اور ان کو بادام کی طرح توڑیں تو اس کے اندر سے سفید رنگ کی خوب صورت سی گری (مغز) برآمد ہوگی، جس پر قدرت نے ایک باریک سی جھلی کی تہہ چڑھائی ہوگی۔اس جھلی کو علیحدہ کر کے گری کو محفوظ کر لیں۔سفید گری کو کوٹ چھان کر باریک کر کے محفوظ کر لیں۔یہ سفوف کئی امراض میں مفید ہے۔

بالوں کے گرنے کے لیے ایک نسخہ نوٹ فرمالیں

ھوالشافی: ترپھلہ (ہڑ بہیڑہ آملہ) گرام، وسمہ گرام، مغز بادام گرام، کرنا کے پھول گرام، تلوں کا تیل ملی لیٹر

تمام ادویہ کو نیم کوفتہ کر کے تیل میں ڈال کر برتن کو ڈھک دیں۔چالیس دن کے بعد تیل چھان کر محفوظ کر لیں، پھر روزانہ لگائیں۔ان شاء اللہ بال گرنا بند ہو جائیں اور سفید بال سیاہ ہو جائیں گے۔

آم کے آم گٹھلی کے دام

آم کے بارے میں یہ ضرب المثل مشہور ہے ”آم کے آم گٹھلی کے دام“ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی گٹھلی بھی غذائی اعتبار سے بہت مفید ہے۔ہمارے دور میں سوئی گیس کے چولہے نہیں تھے، بلکہ لوگ گھروں میں ایک چھوٹی بالٹی کاٹ کر انگیٹھی تیار کر لیتے تھے اور چند لوہے کی سلاخیں درمیان میں رکھ کر ملتانی مٹی سے لیپ دیا کرتے تھے۔کوئلے اور لکڑی کی مدد سے جو کھانے تیار ہوتے تھے،ان کی لذّت بھی خوب ہوتی اور اس انگیٹھی میں نیچے کی طرف راکھ جمع ہو جاتی جو آم کی گٹھلی، کچی کیری اور امرود وغیرہ کو راکھ میں ڈال کر بھبول لیتے۔جب گٹلی سرخ ہو جاتی تو اس میں سیاہ مرچ شامل کر کے شوق سے کھاتے، اس کے کھانے سے جسم پر گرمی دانے نہیں نکلتے اور بچوں کے آم کھانے کی وجہ سے دست بند ہو جاتے ہیں۔اسی وجہ سے یہ کہاوت مشہور ہو گئی کہ آم بھی کھائیں اور گٹھلی کے دام بھی وصول کریں۔

آم کے چھلکے کا سفوف

کچے آم کا چھلکا اتار کر خشک کر کے سفوف بنالیں۔ضرورت کے مطابق چٹنی بنائیں یا کسی بھی ہاضم دوا میں ملا کر استعمال کرائیں، بہترین ذائقہ کے علاوہ امراضِ معدہ، الٹی، متلی اور بھوک کی کمی میں مفید ہے۔

آم واحد پھل ہے، جس کو بار بار چوسا جاتا ہے اور ہر دفعہ چوسنے سے اس کے ذائقے اور رغبت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔آم کو کئی طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

- اس سے گھر میں آئس کریم تیار کی جاتی ہے۔
- دودھ میں شامل کر کے جوس تیار کیا جاتا ہے۔
- کھانوں کے ساتھ اس کی چٹنی بنا کر استعمال کی جاتی ہے، جو کھانوں کو ہضم کرنے کا بھی کام کرتی ہے۔

آم کی تاریخ

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ سکندرِ اعظم پہلا غیر ملکی تھا جو آم سے متعارف ہوا۔یہ بھی مشہور ہے کہ وادی سندھ میں اپنے قیام کے دوران اس نے آم کا ایک باغ لگایا تھا۔مشہور چینی سیاح ہیون سانگ نے بھی اپنے سفر نامے میں آم کا تذکرہ کیا ہے۔ہیون سانگ خشکی کے راستے ہرش وردھن کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔اسی طرح مشہور مسلمان سیّاح ابنِ بطوطہ نے بھی اس پھل کا تذکرہ کیا ہے۔ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے قیام کے ساتھ ہی اس پھل کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پھل نے مغلوں کے دل جیت لیے تھے۔ظہیر الدین بابر نے اپنی خودنوشت میں اسے ایک بہترین پھل قرار دیا ہے۔اکبر کو بھی آم سے بے حد لگاؤ تھا، چناں چہ اس نے بہار کے قریب آموں کا ایک بہت بڑا باغ لگوایا تھا، جس میں آم کے ایک لاکھ درخت تھے۔یہ باغ اسی بنا پر لاکھ باغ کے نام سے مشہور ہوا۔

آم کے طبّی فوائد

1. آم بلغم کو پتلا کر کے اسے باآسانی خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔
2. آم دل ودماغ، جگر معدہ، گردوں، پٹھوں، ہڈیوں اور پھیپھڑوں کو بھی طاقت دیتا ہے۔
3. دمے اور کھانسی کے مریضوں کے لیے پتلے رَس کا آم استعمال کرانا بہت مفید ہے۔
4. اس کے استعمال سے جوانی برقرار رکھنے والی غدودوں کی رطوبتیں زیادہ تعداد میں پرورش پاتی ہیں۔ جسمانی نشوونما کے لیے آم ایک موزوں ترین اور لذیذ ترین غذا ہے۔
5. بد ہضمی کے مریض کے انتڑیوں کے مقام پر بوجھ اور نفخ کے ساتھ دست بھی آتے ہوں تو صبح دو چار آموں کا رَس ایک پاؤ دودھ میں ملا کر پی جائیں اور روٹی بالکل نہ کھائیں اور اپنی طبیعت کی برداشت کے موافق دن میں تین چار مرتبہ صرف آم کا رَس اور دودھ استعمال کر کے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ آم کی تہہ پر خدا نے اس کے پتلے اجزا کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مضبوط غلاف بنا رکھا ہے۔ اس ڈاٹ نما غلاف سے ایک گوندر ِستا رہتا ہے، جو اس کے ارد گرد جم جاتا ہے۔ اس میں تیزابیت کا اثر ہوتا ہے۔ اسی لیے آم کو پانی میں اچھی طرح دھو کر استعمال کرنے کی تاکید کی گئی ہے، مگر یہ تیزابی مادّہ بھی کام کی چیز ہے، اگر احتیاط سے چند روز داد، چنبل اور چھاجن پر لگایا جائے تو ان جلدی امراض سے نجات مل جاتی ہے۔
6. آم کا مربّہ ایک لذیذ مٹھائی کے علاوہ دل ودماغ جگر اور معدے کو طاقت دیتا ہے۔
7. اس کا اچار ایک زور ہضم چٹ پٹے سالن کا کام دیتا ہے۔ آم کے چھلکے میں بھی وٹامنز ہوتے ہیں۔

ہم ان آموں کی اقسام کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں جو ہمارے وطنِ عزیز میں بکثرت پیدا ہونے لگی ہے۔ ان اقسام کی اصل اور تاریخ کے علاوہ ان میں شامل حیاتین ”الف“ کی مقدار بھی درج ہے۔ طبی اصطلاح میں یہ حیاتین کیروٹین کہلاتے ہیں۔

1. **دسہری:** دسہری کی ابتداء ضلع لکھنؤ (اترپردیش، ہندوستان) کے گاؤں دسہری میں ہوئی۔ اس کی شکل لمبوتری ہوتی ہے۔ چھلکا خوبانی کے رنگ جیسا باریک اور عمدہ گودے کے ساتھ اچھی طرح چمٹا ہوتا ہے۔ دسہری کا گودا گہرا زرد نرم ذائقہ دار خوشبودار اور بہت شیریں ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی پتلی، لمبی اور بہت کم ریشے دار ہوتی ہے۔ دسہری کے پکنے کا موسم جولائی کا مہینہ ہے۔
2. **چونسا، ثمرِ بہشت:** اس قسم کی ابتدا ملیح آباد ہندوستان کے ایک قریب گاؤں چونسا میں ہوئی۔ یہ آم قدر لمبوترا، چھلکا درمیانی موٹائی والا ملائم، رنگت پیلی، گودا گہرہ زرد نہایت عمدہ خوشبودار، نہایت میٹھا اور رَس دار ہوتا ہے۔ اس میں کیروٹین وافر مقدار میں ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی پتلی اور لمبوتری ہوتی ہے۔ اس کا سائز بڑا ہوتا ہے اور اس میں ریشہ کم ہوتا ہے۔
3. انور رٹول: اس کا آغاز میرٹھ (اترپردیش ہندوستان) کے مقام رٹول میں ہوا۔ اس کی شکل بیضے نما ہوتی ہے اور سائز درمیانہ ہوتا ہے۔ انور رٹول کا چھلکا درمیانہ موٹا، چکنا اور سنہری مائل زرد ہوتا ہے۔ اس کا گودا بے ریشہ، ٹھوس، سرخی مائل زرد، نہایت شیریں اور رَس دار ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی درمیانہ، بیضوی چھوٹی اور درمیان سے نرم ریشوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ انور رٹول کے پکنے کا مہینہ جولائی ہے۔
4. **لنگڑا:** یہ آم ضلع مظفر پور (ہندوستان) کے علاقے حاجی پور سے تعلّق رکھتا ہے، جو ہندوستان کے شہر پٹنہ میں واقع ہے۔ اس کا نام لنگڑا اس لیے رکھا گیا کہ ایک لنگڑا فقیر اس درخت کے نیچے رہا کرتا تھا۔ اس درخت کی پیوند کاری سے دوسرے علاقوں میں اس کی کاشت ہوئی۔ لنگڑا بیضوی لمبوترا، چھلکا ہلکا اور چکنا، بے حد پتلا نفیس گودے کے ساتھ نرمی سے چمٹا ہوتا ہے۔ اس کا گودا سرخی مائل زرد، خستہ، بے حد عمدہ شیریں، رَس دار اور کم ریشے والا ہوتا ہے۔ اس کے پکنے کا موسم جون سے وسط جولائی ہے۔
5. **الماس:** الماس کی شکل بیضوی گول ہوتی ہے اور سائز درمیانہ ہوتا ہے۔ اس کا چھلکا زردی مائل سرخ ہوتا ہے۔ الماس کا گودا خوبانی کے رنگ جیسا ملائم، ذائقہ دار، خوشبودار، بے حد میٹھا اور کافی رس دار ہوتا ہے۔ اس میں ریشہ برائے نام ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی بڑی موٹی، بیضوی اور کم ریشے والی ہوتی ہے۔ نچلے حصے پر قلیل ریشے پائے جاتے ہیں۔ اس کے پکنے کا مہینہ جولائی ہے۔
6. **فجری:** کہا جاتا ہے کہ ضلع مالدا ربنگال کے کلکٹر (رادن شا) نے سب سے پہلے اس آم کو دریافت کیا تھا۔ فضلی نامی بوڑھی مسلمان عورت کی جھونپڑی کے نزدیک ایک دفعہ کلکٹر رادن شا نے قیام کیا۔ اس عورت نے بطور تحفہ اپنے درخت کے آم ان کو دیے۔ رادن شا بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اس آم کا نام اس عورت کے نام سے منسوب کر دیا، لیکن رفتہ رفتہ یہ بگڑ کر فضلی سے فجری ہو گیا۔ یہ آم بیضوی لمبوترا ہوتا ہے۔ فجری کا چھلکا زرد مائل سطح برائے نام کھردری، چھلکا موٹا اور نفیس گودے کے ساتھ ہوتا ہے۔ فجری کا گودا زردی مائل سرخ، خوش ذائقہ اور کافی رَس دار ہوتا ہے۔ اس میں ریشہ برائے نام ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی موٹی، لمبوتری اور کچھ ریشے دار ہوتی ہے۔ یہ ماہ اگست سے آخر تک پکتا ہے۔
7. **سندھڑی:** سندھڑی آم لمبوترا اور بیضوی ہوتا ہے۔ اس کا سائز بڑا ہوتا ہے۔ سندھڑی کا چھلکا بہت زرد، چکنا، باریک اور نہایت نفیس گودے کے ساتھ اچھی طرح چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا گودا نہایت زرد رنگ کا شیریں کافی رَس دار اور کم ریشے والا ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی لمبی اور موٹی ہوتی ہے۔ سندھڑی کے پکنے کا وقت جون اور جولائی ہے۔
8. **نیلم:** یہ مدارس (جنوبی ہندوستان) کا ایک مشہور آم ہے۔ اس کے پھل کا سائز درمیانہ ہوتا ہے۔ اس کا چھلکا درمیانہ موٹا اور پیلے رنگ کا چمکتا ہوا ہوتا ہے۔ یہ بے ریشہ رس دار اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔
9. **گلاب خاص:** اس آم کا چھلکا سرخی مائل زرد ہوتا ہے۔ اس کا ذائقہ تمام آموں سے مختلف اور انوکھی خوشبو لیے ہوتا ہے۔ آم کے شوقین اس کو دور سے دیکھ کر ہی پہچان لیتے ہیں۔ اس کا ذائقہ بھی بہت لذیذ ہوتا ہے۔

جُنید امین

جُنید امین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

مسجد اقصی

سیدہ فاطمہ طارق

قرآن مجید کی سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں ہی اس مقام کو مسجد اقصی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے اس مسجد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

ترجمہ : پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گئی ہیں جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے (بنی اسرائیل-1)

اس مسجد کو حرم قدسی شریف اور بیت المقدس بھی کہتے ہیں۔

القدس، یروشلم کا عربی نام ہے جسے زبان قبل اسلام میں "ایلیا" بھی کہا جاتا تھا۔ ایلیا نام رومیوں نے پہلی صدی ق-م میں یروشلم شہر کو فتح کرنے کے بعد دیا تھا۔ یورپی زبانوں میں یروشلم کو jerusalem کہتے ہیں۔

محل وقوع یہ مسجد یروشلم شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ جو یروشلم کے مشرق میں واقع ہے۔ مکۃ المکرمۃ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً 1300 کلو میٹر ہے۔ یہ 35 درجہ عرض شرقی اور 31 درجہ عرض شمالی پر واقع ہے، بحر روم سے اسکی اونچائی 750 میٹر اور بحر مردار کی سطح سے اس کی بلندی 1150 کلو میٹر ہے بحر روم سے اس کا فاصلہ 52 کلو میٹر، بحر مردار سے 22 کلو میٹر اور بحر احمر سے 250 کلو میٹر ہے۔ القدس دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ القدس شہر کا وہ علاقہ جہاں القدس شریف یعنی مسجد اقصی موجود ہے اسے القدس قدیم کہتے ہیں۔

بیت المقدس پہاڑیوں پر آباد ہے ان ہی میں سے ایک پہاڑی کا نام کوہِ صیہون ہے جس پر مسجد اقصی اور قبۃ الصخرۃ واقع ہیں۔

تعمیر عام طور پر مشہور ہے کہ مسجد اقصی کی پہلی تعمیر حضرت داود و حضرت سلیمان علیہما السلام نے کی لیکن یہ بات صحیح نہیں، مسجد اقصی روئے زمین پر بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد ہے جسکو عبادتِ الٰہی کے لیے تعمیر کیا گیا۔ مسجد اقصی ان مساجد میں سے ہے کہ جس کو جلیل القدر انبیاء نے تعمیر کیا۔ بیت المقدس کی پہلی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور پھر اس کے بہت عرصے بعد اپنے وقتوں میں حضرت داود و حضرت سلیمان علیہما السلام نے کی۔

القدس کے احاطے کی تعمیر حرم قدسی کی چند مشہور تعمیرات جو حرم کی حدود میں موجود ہیں اور عرصے سے ان کو اہلِ فلسطین کے علاوہ دنیا کے کم صاحب توحید لوگوں نے دیکھا ہے۔ حرم قدسی مسلمان سلاطین، علمائے کرام، اولیاء عظام اور عامۃ المسلمین کی عقیدت و محبت کا مرکز رہا ہے۔ سلاطین اسلام نے یہاں تعمیر و ترقی کے لحاظ سے نمایاں کام کیے۔

یہاں نمازیوں کی سہولت یا مختلف تاریخی یادگاروں کے حوالے سے تعمیر کی جانے والی متعدد چھوٹی چھوٹی خوبصورت عمارتیں، مدرسے، قبے، چبوترے، مینارے، پانی کی سبیلیں، سائبان اور دھوپ گھڑیاں اپنی خوبصورتی، دلفریبی میں اور ندرت کی وجہ سے فن تعمیر کا نادر نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔

قبے یہ خوبصورت قبے تدریس، ذکر و عبادت کے لیے جائے خلوت، یا تاریخی یادگاروں کے طور پر تعمیر کیے گئے تھے اور آج تک مسجد اقصی کے صحن کی خوبصورتی اور رونق میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ان قبوں کو مختلف حکمرانوں نے مختلف اغراض کے تحت تعمیر کروایا۔ مسجد اقصی کی طائرانہ تصویر کو غور سے دیکھنے سے یہ اس کے صحن میں تراشیدہ موتیوں کی طرح بکھرے نظر آتے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور قبۃ المعراج ہے۔

قبۃ المعراج یہ قبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں پر تشریف لے جانے کے عظیم واقعے کی یادگار میں تعمیر کیا گیا۔

چبوترے یہ چبوترے گرمیوں میں نماز اور درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ صحن کے فرش سے ذرا اونچے اوت مربع و مستطیل دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ انہیں خوبصورت پتھروں سے تعمیر کیا جاتا تھا اور اکثر قبلے کی جانب محراب نما دیوار بھی تعمیر کی جاتی تھی۔

مینارے بیت المقدس میں اذان کے لیے چار مینارے تھے جو شمالی اور مغربی جانب تھے کیونکہ شہر کی آبادی اس طرف تھی۔ مسجد اقصی چونکہ قدیم القدس شہر کے جنوب مشرقی کنارے میں نسبتاً اونچی جگہ واقع ہے اس لیے اس کے جنوب اور مشرق میں آبادی نہ تھی۔ اب آخری دور میں یہاں رہائشی تعمیرات ہوئی ہیں۔

سبیلیں خادمین حرم نے نمازیوں اور زائرین کی سہولت کے لیے پانی کا بہت عمدہ انتظام کیا تھا جس کی وجہ سے مسجد کی حدود میں جابجا میٹھا اور ٹھنڈا پانی کنووں، سبیلوں اور حوضوں میں وافر مقدار میں پایا جاتا تھا۔ حرم شریف میں ۲۵ کنویں تھے جن میں سے سترہ مسجد اقصی کی مرکزی عمارت کے قریب اور آٹھ سنہرے گنبد والی عمارت کے آس پاس تھے۔ نو سبیلیں اس کے علاوہ تھیں کاس الفوارہ نامی ایک خوبصورت حوض مسجد کے مرکزی دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے 589ھ میں تعمیر کروایا تھا۔

شہر کے چند مشہور میٹھے چشموں کا پانی بھی نالیوں کے ذریعے مسجد تک پہنچایا گیا تھا۔

دھوپ گھڑیاں مسجد اقصی میں دو دھوپ گھڑیاں تھیں۔ جو اوقات نماز پہنچانے کا کام دیتی تھیں۔ ایک مسجد کے بالکل کے سامنے اور ایک چٹان والے گنبد کی دیوار پر۔

تہ خانہ مسجد کے مرکزی ہال کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے جسے صلیبیوں نے اپنے قبضے کے دور میں گھوڑوں کا اصطبل بنا رکھا تھا اور اسے "اصطبل سلیمانی" کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ تہ خانہ ستونوں پر کھڑا ہے اسے "قدیم اقصی" بھی کہتے ہیں۔ آخری دور میں مسجد اقصی کے ایک کمرے میں اسلامی نوادرات بھی رکھے گئے ہیں۔ جن کا تاریخی اشیاء کے شوقین ذوق و شوق سے دیدار کرتے ہیں۔

مسجد اقصی کا اطلاق اس مکمل چار دیواری پر ہوتا ہے۔ جس کو عبادت کے لیے وقف کیا گیا تھا۔

اس احاطے کے ایک ایک اینٹ اور اس کے اندر کی ایک ایک انچ زمین تا قیامت مسجد کے لیے وقف ہے اور اسکی حفاظت مسلمانوں پر اس وقت تک فرض ہے جب تک ان میں سے ایک آنکھ بھی حرکت کرتی اور ایک دل بھی دھڑکتا ہے۔

چراغ سے چراغ جلے

گل جمال

"ارے او جمالے! دیکھ!!! باؤجی نے کھانا کھالیا ہے۔۔۔ چل برتن اُٹھالا"

"جی اُستاد! ابھی جاتا ہوں۔" جمال جو ایک بڑا سا دیگچہ مانجھ رہا تھا، فوراً اُٹھ کر بھاگا۔۔۔

"صاحب جی! اگر کھانا کھالیا ہو تو برتن لے جاؤں؟" مصطفیٰ نے اس نو یا دس سال کے بچے کو مسکرا کر دیکھا، جس کے چہرے ہاتھوں دونوں پر برتنوں کی کالک لگی تھی۔۔۔

"جی بیٹا! لے جاؤ۔" جمال جلدی سے برتن اُٹھانے لگا۔۔۔ اسے ابھی اور بہت سے کام کرنے تھے۔ سردی کے دنوں میں یہاں گاہکوں کا اچھا خاصا رش ہوتا تھا اور اس کے کاموں کا بوجھ بھی بڑھ جاتا۔ مصطفیٰ بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔

"سنو!" مصطفیٰ نے اسے بے ساختہ آواز دی۔

"جی صاحب! کچھ اور چاہیے کیا؟"

"نہیں! وہ یہ کھانے کے پیسے لے جاؤ اور یہ ٹپ تمہارے لیے۔" مصطفیٰ نے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف کیے۔۔۔ بچے کے چہرے پر عجب سی معصومیت تھی، جانے کیوں اس بچے کو دیکھ کر اس کا دل کیا کہ وہ اس کے لیے کچھ کرے۔۔۔ جمال نے ایک دو لمحے تک اسے عجیب و غریب نظروں سے دیکھا، پھر وقفے سے بولا۔۔۔

"صاحب کھانے کا پیسا اُدھر دینا ہے۔" اس نے ہاتھ سے اُستاد کی طرف اشارہ کیا۔

اور برتن لے کر جانے لگا۔

"اوہ، اچھا! یہ ٹپ تو لے لو یار۔"

"شکریہ۔۔۔ ہم اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتا ہے، تمہارا شکریہ صاحب!" مڑ کر کہا اور برتن لے کر چل دیا۔

مصطفیٰ کو بچہ بہت غیرت مند لگا۔۔۔ دل ہی دل میں اسے شاباشی دی، اس عمر میں اتنی دلیری۔۔۔ مصطفیٰ کھانے کے پیسے دینے اُستاد (جن کا نام مختار تھا، یہاں کام کرنے والے سب چھوٹے بڑے ان کو اُستاد ہی کہتے تھے) کے پاس گیا۔

"یہ لو کھانے کے پیسے!"

"مہربانی باؤجی! آتے جاتے رہیے گا یہاں۔" اُستاد نے خوش دلی سے کہا اور پیسے لیتے ہی جلدی سے ڈائری میں رقم درج کرنے لگا۔

"ضرور!!" اس نے برتن مانجتے ہوئے جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا، سنو!"

"جی باؤجی!" اُستاد جو ابھی تک حساب کتاب کر رہا تھا، جلدی سے بولا۔۔۔

"یہ بچہ کب سے اِدھر کام کر رہا ہے۔"

"یہ اپنا جمالہ! او جی تین چار سال سے اِدھر ہی ہے، بڑا ہی بیباک بچہ ہے، سونا ہے۔ نرا سونا!! بس جی قسمت نے اِدھر ڈالا ہوا ہے نمانڑے کو" اُستاد نے افسردگی سے جواب دیا۔

"اچھا، اسکول نہیں جاتا یہ، اور اس کے والدین نہیں ہیں کیا؟" اسے کافی حیرت ہوئی، اتنا چھوٹا بچہ کیسے کام کر سکتا ہے۔

"او جی، کدھر! باپ تو کب کا مر گیا۔ چار بہن بھائی ہیں، اس سے چھوٹے۔۔۔"

وہاں سے مصطفیٰ اپنے ہوٹل میں آ گیا۔۔۔ وہ یہاں ایک دو پینٹنگ بنانے آیا تھا، جس میں اس کو دو ہفتے لگ گئے، جب دوبارہ ڈھابے پر آیا تو جمال وہاں موجود نہیں تھا، پتا کرنے پر معلوم ہوا وہ تو بیمار ہے اور پچھلے کئی دنوں سے نہیں آ رہا۔۔۔ مصطفیٰ اُستاد مختار سے اس کے گھر کا پتا لے کر اس کے گھر گیا، وہ ایک چھوٹا سا کچا پکا مکان تھا، ٹوٹے ہوئے دروازے پر دستک دی، اجازت ملنے پر اندر داخل ہوا تو ایک کونے میں بچھی چارپائی پر خستہ حال رضائی میں جمال نیم بے ہوشی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا، بہت کمزور معلوم ہو رہا تھا، ایک کونے میں جمال کی ماں مٹی کے چولہے پر کچھ پکا رہی تھی، اس نے بلند آواز سے سلام کیا:

"السلام علیکم!"

جمال کی ماں نے دروازے کی جانب دیکھا آنکھ میں حیرانی لیے پوچھا "کون ہو صاحب جی!"

"میں جمال سے ملنے آیا ہوں، مجھے پتا چلا ہے کہ وہ بیمار ہے۔"

"جی صاحب جی! بہت بیمار ہے، بخار ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔" اس کی ماں بے بسی سے بولی۔

"تو کسی ڈاکٹر کو دکھایا آپ نے؟"

"میں لے کر گئی تھی اس کو سرکاری ہسپتال، ڈاکٹر نے دوا دی ہے، پر آرام ہی نہیں آیا۔"

"کسی مہنگے ہسپتال لے جانے کی مجھ غریب میں ہمت نہیں صاحب!" مصطفیٰ چلتا ہوا جمال کی چارپائی تک آیا، جھک کر اس کی پیشانی کو ہاتھ لگایا تو وہ آگ کی طرح تپ رہا تھا۔

"او خدا! اِسے تو بہت تیز بخار ہے، ٹمپریچر بہت ہائی ہے، اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا چاہیے ہمیں!"

مصطفیٰ اسے قریب ایک نجی کلینک لے گیا، تقریباً دو گھنٹے بعد جمال کا بخار کم ہوا تو اس کو ہوش آیا۔ مصطفیٰ تمام دوائیں خرید کر اسے گھر چھوڑ گیا۔ تقریباً روز ہی وہ اس کا پتا لینے آتا تھا۔ اب وہ کافی بہتر معلوم ہو رہا تھا۔

آج جب وہ آیا تو جمال کی ماں نے پوچھا: "صاحب! تم ہماری اتنی مدد کیوں کر رہا ہے؟ اپنے فائدے کے بغیر تو کوئی کچھ نہیں کرتا۔"

"جی بلکل ٹھیک کہا آپ نے، سب اپنے فائدے کو دیکھتے ہیں، لیکن کچھ چیزوں میں بندے کو اپنا عکس نظر آتا ہے اور بندہ نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔"

"جیسے جمال میں مجھے اپنا عکس نظر آیا اور میں چاہتا ہوں کہ یہ بھی پڑھ لکھ جائے۔"

"میں خود بھی ایک یتیم بچہ تھا، جو فٹ پاتھ پر پھول بیچتا تھا، پھر ایک عظیم شخص نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے معاشرے میں رہنے کے قابل بنایا، بس میں بھی وہی کوشش کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ "چراغ سے چراغ جلتا ہے۔""

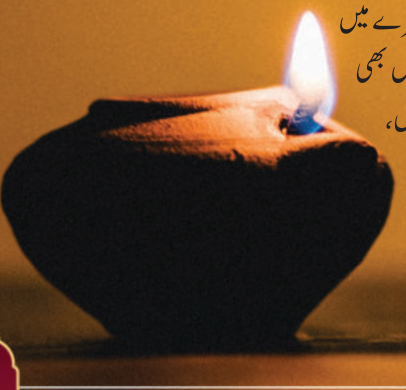

کچن گلستان

لائبہ عبدالستار

"رمشہ تم؟ یوں اچانک؟" عریشہ کی اپنی دوست کے اچانک آنے پر خوشی اور حیرانی کی ملی جلی کیفیات تھیں۔

"ہاں، میں نے سوچا تمہیں سرپرائز دوں۔"

"واہ بھئی، بہت خوب سرپرائز ہے یہ تو!! مجھے بہت خوشی ہوئی۔" دونوں ہنستی باتیں کرتیں ہال تک چلی گئیں۔

"ارے آج چاند کہاں سے نکلا ہے؟ بھئی آؤ آؤ، خوش آمدید!"

"السلام علیکم، خالہ جان!"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! بیٹی کیسی ہیں آپ؟"

"جی میں الحمدللہ! ٹھیک، آپ کیسی ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا، آپ کی امی نہیں آئیں؟"

"نہیں خالہ جان! امی کی مصروفیات تھیں، ابو کے ساتھ آئیں ہوں، کام سے واپسی پر مجھے لے لیں گے۔"

"چلو، یہ تو اچھا ہوا بیٹا! آپ کافی دیر بیٹھ جاؤ گی اس طرح۔"

"چلو آپ دونوں باتیں کرو، میں اکرام کا انتظام کرتی ہوں۔"

"ارے نہیں خالہ جانی! تکلف نہ کیجیے۔۔۔"

"ارے تکلّف کیسا! مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، نصیب سے آتے ہیں، تم آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔"

"خوب جمے کی صحرا میں مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" رمشہ کے کہنے پر عریشہ ہنس دی۔

دونوں خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں۔ "اور عریشہ کیا کر رہی ہو آج کل؟"

"یار بس، امی سے سلائی سیکھ رہی ہوں، جب تک فرسٹ ایئر کے ایڈمیشن نہیں ہوتے، تب تک گھر کے کام کاج میں امی کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔"

"واہ بھئی، تمہاری چھٹیاں تو خوب گزر رہی ہیں پھر۔۔۔" دونوں مسکرا دیں۔

"اور تم بتاؤ نا، تمہاری کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

"میں۔۔۔ بس کچھ خاص نہیں، بس گھر میں ہی ہوں، امی کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔"

"اور آگے ایڈمیشن لینے کا کیا ارادہ ہے؟ میڈیکل لینا ہے نا؟"

"نہیں یار! آگے ایڈمیشن نہیں لے سکتی میں۔۔۔"

"مگر کیوں؟"

"بس س س۔۔۔ دل نہیں ہے آگے پڑھنے کا۔" رمشہ کے لہجے کی اُداسی عریشہ بہت اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔

"مگر تم تو بہت شوق تھا نا میڈیکل میں ایڈمیشن لینے کا؟ بلکہ تمہارا جنون تھا، اب کیا ہو گیا اچانک؟" رمشہ خاموش رہی۔۔۔

"رمشہ! میں کچھ پوچھ رہی ہوں، کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ ناااا، ہم مل کر کوئی حل نکال لیں گے، مجھ سے تو مت چھپاؤ۔۔۔"

"عریشہ تمہیں پتا تو ہے، آج کل مہنگائی عروج پر ہے اور کمانے والے اکیلے ابا ہیں، چھوٹے بہن بھائی بھی اسکول ٹیوشن جاتے ہیں، پھر روز کے خرچے، بل، فیس سب ابو ہی کرتے ہیں، بس میں اپنی وجہ سے انھیں پریشان نہیں کر سکتی۔۔۔"

"اچھا تو یہ بات ہے، دیکھو رمشہ! مہنگائی کے جو حالت ہے، دیکھ کر لگتا نہیں کہ اس میں کمی ہو گی، بلکہ اب تو آئے دن بڑھ چڑھ کر آسمان کو چھونے لگی ہے، مگر یہ تو کوئی حل نہیں نا کہ ہم اپنی تعلیم چھوڑ دیں، اس طرح تو ہمارے ملک کے ذہین طلبا و طالبات ضایع ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو عریشہ! مگر ہم غریب کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

"میرے پاس اس کا حل ہے۔" عریشہ کچھ سوچ کر بولی۔

"وہ کیا؟"

"وہ ہے بچت!! ہم کچھ نہ کچھ بچت کر کے تعلیم جیسی اہم ضروریات تو پوری کر ہی سکتے ہیں۔"

"لو بچو! گرما گرم چائے، کیک اور جلیبیاں۔۔۔" خالہ جان نے ٹیبل پر ٹرے رکھی، جس میں نمکو، بسکٹ بھی موجود تھے۔۔۔

"ارے شکریہ خالہ جان! آئیے، بیٹھیے آپ بھی۔"

"نہیں بیٹا! آپ لوگ لو، مجھے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔۔۔"

"ہاں تو بتاؤ، پھر کیا حل ہے؟" کیک پلیٹ میں ڈالتے ہوئے رمشہ بولی۔

"دیکھو رمشہ! ہم اگر کوئی بزنس نہیں کر سکتے تو اپنی کوششوں سے گھر کے خرچے ضرور کم کر سکتے ہیں۔ غیر ضروری خواہشات سے اجتناب، جہاں ایک سوٹ سے کام چل سکتا ہو، وہاں دوسرا نہ لیں، ہر کام میں کفایت شعاری سے کام لیں۔"

"ہمم۔۔۔" دونوں وقفے وقفے سے چائے بھی پی رہی تھیں۔۔۔

"میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو خود ٹیوشن پڑھاتی ہوں، اس طرح ان کے ٹیوشن کی فیس بچ جاتی ہے اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ محلے کے بچے بھی آجاتے ہیں، جن سے مناسب فیس بھی مل جاتی ہے اور اللہ نے تمہیں تو مجھ سے زیادہ قابلیت سے نوازا ہے تو تم بھی ایسا کیوں نہیں کر لیتیں؟"

بقیہ صفحہ نمبر 24 پر

گرمیوں کی چھٹیاں

آخری حصہ

نشا وقار

"سر! آپ ہمیں گھروں میں کھیلے جانے والے کھیل (ان ڈور گیمز) اور باہر کھیلے جانے والے کھیل (آؤٹ ڈور گیمز) کے بارے میں بتائیں۔"

"ہم ان شاء اللہ! پوری کوشش کریں گے کہ اس سال کی چھٹیوں کو خاص اور سب سے الگ بنائیں اور ہمیشہ کی طرح اس سال بھی سب سے زیادہ مارکس ہمارے ہی ہوں گے۔"

بالآخر محمد مصطفیٰ خان نے جیسے سب کی الجھنوں کو اپنے لفظوں میں بیان کر دیا۔ سر محسن کو بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ جماعت کے بیشتر طالبِ علم گھروں میں کھیلے جانے والے کھیلوں اور باہر کھیلے جانے والے کھیلوں سے ناواقف ہیں۔

"گھروں میں کھیلے جانے والے کھیلوں میں چیس، لوڈو، کیرم، سکوائش، سنوکر، ٹیبل ٹینس، سکریبل، اونو، کٹرو پتی اور اس کے علاوہ نام، چیز، جگہ، میرا وزیر کون، فلم اسٹاپ جیسے کھیلوں سے آپ کا اردو املا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور یادداشت بھی اچھی ہوتی ہے۔"

جماعت کے بیشتر طالبِ علموں کو سر محسن نے کاپی پر گھروں میں کھیلے جانے والے کھیلوں کی لسٹ بناتے دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ بچے صرف ان کی باتیں غور سے نہیں سن رہے، بلکہ اس پر عمل کرنے کی تیاریاں بھی کر رہے ہیں۔

"آؤٹ ڈور کھیلوں میں کرکٹ، فٹ بال، باسکٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈ منٹن اور اس طرح کے دوڑنے بھاگنے والے بے شمار کھیل شامل ہیں، جو ہماری صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اور ہمارے جسم کو طاقت ور اور توانا بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ لوگ اپنے گھروں میں چھت یا صحن میں یہ کھیل بھی کھیل سکتے ہیں، پہل دوج، کھو کھو، برف پانی، پتنگ بازی، پٹو وارم، کوڑا جمال شاہی، اونچ نیچ کا پہاڑ اور اس جیسے متعدّد کھیل ہیں، جن کے بارے میں آپ کے بڑے آپ کی رہنمائی کر سکیں گے۔"

طلبا نہایت دل چسپی اور شوق سے سر کی باتوں کے اہم اہم نکات اپنی کاپی میں محفوظ کرتے جا رہے تھے۔ "سیانے کہتے ہیں کہ "کھیلو گے کودو گے بنو گے ہوشیار" یاد رکھیے! یہ دنیا ہوشیاروں کی ہے اور ہوشیار بننے کے لیے کھیل کود بہت ضروری ہے، یہ ہمارے دماغ اور جسم سے زنگ جھاڑ کر ہمیں صحت مند اور پھرتیلا بناتے ہیں۔ دنیا میں وہ ہی لوگ کامیاب ہیں جو ہوشیار ہیں۔ کھیلوں سے ہم زندگی گزارنے کے اصول بھی سیکھتے ہیں، جیسا کہ نظم وضبط، فرماں برداری، وقت کی پابندی، قوتِ برداشت، صبر، ٹائم مینجمنٹ، قائدانہ صلاحیتوں میں اضافہ ہونا، انفرادی اور اجتماعی طور پر کام کو اچھے اور بہتر طریقے سے کرنا، ہارنے کے باوجود جیتنے کا حوصلہ اور آگے بڑھنے کی چاہ۔"

سر محسن نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے جماعت پر ایک نظر ڈالی اور دل ہی دل میں مسکرا دیے۔

"ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی" تھوڑی دیر پہلے طلبہ جو حیران حیران الجھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، اب وہ ہی طلبا پُرعزم دکھائی دے رہے تھے۔

"اکثر بیشتر آپ لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی طالب علم بیمار رہتا ہے، ہمارے وقتوں میں آپ کی عمر کے بچے بہت کم بیمار ہوتے تھے۔ آپ لوگوں کی قوتِ مدافعت اس قدر کمزور ہے کہ ہر موسمی بیماری آپ لوگوں کو آسانی سے اپنا شکار کر لیتی۔" سر محسن نے حاضری کا رجسٹر بچوں کے سامنے لہرایا، جس میں غیر حاضری والا کالم حاضری والے کالم سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔

"اگر آپ لوگ کھیل کود کو اپنی زندگی کا حصّہ بنالیں گے تو آپ کی قوتِ مدافعت مضبوط ہو جائے گی۔ اور آئے دن اسپتالوں کے چکر لگانے کے بجائے آپ باقاعدگی سے اسکول آنا شروع ہو جائیں گے اور ان سب کا مثبت اثر آپ کے سالانہ امتحانات کے نتائج پر مرتب ہو گا۔" سر نے حاضری کا رجسٹر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھیے! جس ملک میں کھیل کے میدان آباد ہوں گے تو ان کے اسپتال ویران ہوں گے اور جس ملک میں کھیل کے میدان ویران ہوں گے تو ان کے اسپتال آباد ہوں گے۔"

تالیوں کی آواز پر سر محسن نے پلٹ کر دیکھا تو کمرہ جماعت کے باہر اسلامیات کے استاد سر بلال ہاشمی سر محسن کی باتوں پر ستائشی انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سر سے کلاس میں داخل ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

"سر محسن کی باتوں سے میں سو فیصد متفق ہوں، لیکن کیا ہی اچھا ہو ذہنی اور جسمانی تسکین کے ساتھ ساتھ آپ تھوڑا سا وقت روحانی تسکین کے لیے بھی نکال لیں؟" سر بلال ہاشمی جو ہیڈ ماسٹر صاحب کا پیغام لے کر نہم جماعت کی طرف جا رہے تھے، سر محسن کی باتیں سن کر ہفتم جماعت میں داخل ہو گئے۔

"روحانی تسکین؟ وہ کیا ہوتی ہے۔" بچے ایک بار پھر سراپا سوال بنے، اس بار سر بلال ہاشمی کو تک رہے تھے۔

"روحانی تسکین اسے کہتے ہیں، جس کو کرنے سے آپ کو سکون ملے۔ تو کیا خیال ہے اس سال گرمیوں کی چھٹیاں کچھ ایسے نہ گزاری جائیں کہ جس میں صرف ذہن و جسم ہی تروتازہ نہ ہو، بلکہ روحانی اور قلبی طور پر بھی آپ تروتازہ اور چاق و چوبند ہو کر اپنے نئے تعلیمی سال کا آغاز کر سکے۔" سر بلال ہاشمی کی بات پر طلبا کے ساتھ ساتھ سر محسن بھی متفق دکھائی دے رہے تھے۔

"ذہنی اور جسمانی طور پر کیسے چاق چوبند رہنا ہے، یہ آپ کو سر محسن بتا چکے ہیں۔ لیکن اپنی چھٹیوں کو مزید کارآمد بنانے اور منفی سرگرمیوں اور خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے اور

قلبی سکون حاصل کرنے کا ایک طریقہ سمر کورسز بھی ہیں۔"

"سمر کورسز؟" طلبا ایک بار پھر اُلجھے اُلجھے دکھائی دے رہے تھے۔

"وقت ایک بہت قیمتی شے ہے اور اس کو ضایع کرنے سے نہ صرف اللہ آپ سے ناراض ہوتا ہے، بلکہ آپ خود بھی بے چین و بے سکون رہتے ہیں۔ جو لوگ وقت کا صحیح استعمال کرتے ہیں وہ ذہنی، روحانی، قلبی، جسمانی طور پر مطمئن رہتے ہیں۔ اور وقت انھیں قابل لوگوں کی صفحات میں لا کھڑا کرتا ہے۔"

سر بلال ہاشمی نے اپنی بات سمجھانے کے لیے سر محسن کا طریقہ استعمال کیا اور مدّعا پر آنے سے پہلے تمہید باندھنا ضروری سمجھا۔

"ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں کچھ ادارے مختلف کورسز متعارف کراتے ہیں، جن میں طلبا و طالبات مختلف کورسز سیکھ کر اپنے قیمتی وقت کو مزید قیمتی بناتے ہیں۔ یہ کورسز مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسا کہ "کمپیوٹر کورسز، مختلف زبانیں سیکھنے کے کورسز، وغیرہ۔" طالبات کے لیے امورِ خانہ داری سے متعلّق کورسز متعارف کرائے جاتے ہیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس کورس میں دل چسپی رکھتے ہیں اور کیا سیکھ کر ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔"

تو آج سے آپ لوگ مجھ سے عہد کریں کہ میری اور سر محسن کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کر کے اپنے آپ کو بہتر اور سب سے الگ بنائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سوشل میڈیا سے دور رہیں، دن میں ایک آدھ گھنٹے کے لیے آپ سوشل میڈیا کا چکر لگا سکتے ہیں، تاکہ آپ کو آکسیجن ملتی رہے۔"

سر بلال نے آخری جملے پر شرارت سے جماعت کو دیکھتے ہوئے سر محسن کے ساتھ جماعت نہم کی طرف قدم بڑھائے، جہاں مزید طلبا ان کی رہنمائی کے منتظر تھے۔

بقیہ

کچن گلستان

"ارے ہمم!! یہ بات تو میں نے سوچی نہیں تھی۔" رمشہ چونک کر بولی۔۔

"اب سوچنا مت، بلکہ پکا ارادہ کرلو، یہ تم نے کرنا ہے۔۔۔"

"ہاں، ان شاء اللہ! کروں گی۔"

"اور اب ہم چلتے ہیں، دوسری بہترین بچت کی طرف!! میرے ساتھ آؤ۔" عریشہ اسے سیڑھیوں کی جانب لے گئی۔

"دیکھو رمشہ! میرا گھر زیادہ بڑا نہیں ہے اور نہ ہی ابو کی بہت زیادہ آمدنی ہے، مگر پھر بھی میں نے اپنی کوشش سے اپنی پاکٹ منی سے یہ چھوٹا سا "کچن گلستان" سجایا ہے، یہاں آخری سیڑھی سے لے کر اوپر چھت تک تمھیں تقریباً ہر سبزی کا پودا ملے گا، میری یہ محنت گھر کی بچت میں گہرا اثر رکھتی ہے۔ تمھیں تو اندازہ ہے ایک دن کی گھر کی سبزی پھر سبزی میں ڈلنے والے ٹماٹر، مرچ، لہسن، ادرک پیاز سب ملا کر روز کا کتنا خرچہ ہو جاتا ہے، اگر ایک بار اپنی پاکٹ منی اور دلی محنت سے چھوٹا سا "کچن گلستان" ہم تیار کرلیں تو روز کے خرچے سے ہم بچ سکتے ہیں اور دوسرا یہ کہ گھر کی تازہ صحت بخش سبزی کھانے کو ملتی ہے۔"

"بہت خوب عریشہ!! میں تو کچن گلستان سے خوب متاثر ہو رہی ہوں، کتنا خوب صورت ہے یہ۔۔۔"

"ہاں رمشہ! خوب صورتی الگ، آکسیجن کا بھی فائدہ، ماحول بھی خوش گوار رہتا ہے، نظر کو بھی ہریالی دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور گھر کی تازہ صحت بخش سبزی بھی ملتی ہے اور ابو کو بھی سبزی کی طرف سے بے فکری مل گئی ہے، الحمد للہ۔۔۔ یہ کریلے کی بیل دیکھو، کتنی خوب صورتی سے چڑھ رہی ہے، امی تو اپنے شوگر لیول کو اس کے جوس سے ہی کنٹرول کرتی ہیں۔"

"واہ، زبردست۔۔۔" رمشہ خوب دیکھنے میں مگن تھی۔

"اور یہ ہری مرچ اور اس کے برابر میں ٹماٹر کا پودا ہے۔۔۔"

"اور یہ چھوٹے چھوٹے سفید پھولوں والا پودا کس چیز کا ہے؟"

یہ تو تم اس کی خوش بو سونگھ کر ہی بتاؤ گی، ذرا اس کے پتے کی خوش بو سونگھو؟"

"لیمووووں!!" ناک سے اندر تک خوش بو اتارتے ہوئے رمشہ بولی۔

"ٹھیک کہا نا؟"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ اور اوپر چلو میرے ساتھ، یہ کونے پر بالٹی میں بھنڈی کا پودا ہے اور اس کے ساتھ ہی گوار پھلی اور چھت پر آؤ، سفید بینگن کا پودا دکھاتی ہوں۔"

"سفید بینگن بھی ہوتے ہیں کیا؟"

"کیوں نہیں، یہ دیکھو!!" بینگن بڑے کنٹینر میں لگا تھا، اس کے ارد گرد لگے دھنیے کی خوش بو ماحول کو مزید خوش گوار کر رہی تھی۔ اسی طرح مختلف سبزی کے پودوں کا تعارف کرواتے وقت کا پتا ہی نہ چلا، کب گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔

"ارے، لگتا ہے مجھے لینے آگئے۔"

"اتنی جلدی؟"

"جلدی کہاں محترمہ! دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

"ابھی تو ہم نے ٹھیک سے باتیں بھی نہیں کیں۔"

"اب عریشہ! تم آنا میرے گھر۔" رمشہ حجاب لگاتے ہوئے بولی۔

"ضرور آؤں گی، ان شاء اللہ!! اور کچن گلستان بہت بہت اچھا لگا، میں بھی ضرور اپنے گھر میں کچن گلستان بناؤں گی، مگر مجھے تمھاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔"

"اس نیکی میں، میں حاضر ہوں میری دوست۔۔۔ میرے لیے یہ صدقہ جاریہ بھی بنے گا اور بجائے مہنگائی کا رونا رونے کے کچھ اقدام بروقت کر لینے چاہیے، مہنگائی کو تو ہم روک نہیں سکتے، مگر اپنے لیے چھوٹی چھوٹی آسانیاں تو ڈھونڈ سکتے ہیں نا۔۔۔"

"بالکل۔۔۔"

تو آئیے! آپ بھی کچن گلستان بنانے میں ہمارا ساتھ دیجیے، گھر گھر میں کچن گلستان عام کیجیے، بچت کیجیے، اپنے لیے اور دوسروں کے لیے آسانی پیدا کیجیے۔۔۔!!!

سچا دوست

مہوش اسد شیخ

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" حیدر کمرۂ جماعت میں داخل ہوتے ہی حیرت سے چیخا۔

"ششش..... " عمر نے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

حیدر تیزی سے اس کے قریب آیا اور سرگوشی کے سے انداز میں اپنا سوال دہرایا۔

عمر اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟" حیدر نے عمر کا بازو تھام کر جھنجھوڑ ڈالا، اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی قدرے بلند ہوگئی۔

"چوری کر رہا ہوں، نظر نہیں آ رہا کیا؟ سٹھیا گئے ہو کیا، جو ایک ہی سوال بار بار کیے جا رہے ہو۔" عمر خاصا زچ ہوا۔

"چوری.... شرم نہیں آتی؟ جانتے ہو ناگناہ ہے یہ۔" حیدر نے اسے شرم دلانا چاہی۔

"کب سے کر رہے ہو یہ کام؟" اپنے بہترین دوست کو چوری کرتے دیکھ کر اس کا دل بہت دکھا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے، اپنی تفتیش بعد میں کر لینا۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے،، بریک ختم ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے اور ابھی کتنے ہی بستے ٹٹولنا باقی ہیں۔" عمر اب تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ حیدر تاسف سے اسے گھور کر باہر نکل گیا۔

"ایک سو دس روپے.... واہ آج تو فروٹ چاٹ کھاؤں گا۔" عمر نے رقم گن کر جیب میں رکھتے ہوئے اس رقم کا مصرف سوچا۔ چھٹی کی گھنٹی بجتے ہی حیدر اپنا بستہ اٹھا کر باہر نکل گیا، عمر تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"چل آ جا! آج فروٹ چاٹ کھاتے ہیں۔" مرکزی گیٹ سے باہر نکلتے ہی عمر نے اس کا ہاتھ تھام کر روکنا چاہا، حیدر نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوالیا۔

"حیدر میری بات تو سنو!" عمر نے ملتجیانہ لہجے میں پکارا۔

"جب تک تم میرے سوالوں کے جواب نہیں دو گے، میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔" حیدر نے رک کر دوٹوک انداز میں کہا۔

میں تمہیں سب کچھ پہلے ہی بتا دینا چاہتا تھا، مگر جانتا تھا کہ تم خفا ہو جاؤ گے، تمہاری ناراضی کے خوف سے ہی کچھ نہ بتا سکا۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا مجھے یہ کام کرتے ہوئے.... جس دن تمہیں نان ٹکی کھلائی تھی، اس دن پہلی بار چوری کی تھی۔ تمہارے پوچھنے پر میں نے جھوٹ بول دیا تھا کہ کل ماموں آئے تھے، انھوں نے پیسے دیے۔ سچ یہ ہے کہ وہ پیسے میں نے ارحم اور ندیم کے بستے سے نکالے تھے۔" عمر نے مرے مرے لہجے میں ساری بات بتادی۔

"کیوں کرتے ہو ایسا؟ اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا، کیا پکڑے جانے کے خوف سے بھی دل نہیں ڈرتا؟" حیدر نے دوست کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں پوچھا۔

"زندگی کی خوشیوں پر میرا بھی حق ہے، میں اسی رب کا بندہ ہوں، جس نے باقی سب کو پیدا کیا۔ اس نے باقیوں سے کم تر کیوں رکھا مجھے، سب لڑکے چھٹی کے وقت کھاتے پیتے، ہنسی مذاق کرتے گھروں کو جاتے ہیں اور ہم دونوں ترستی ہوئی نگاہوں سے انھیں دیکھتے رہتے ہیں، کیوں کہ ہم غریب ہیں۔ ہمارے والدین ہمیں روز روز اتنے پیسے نہیں دے سکتے، وہ ہماری تعلیم اور دو وقت کی روٹی کا خرچہ جانے کیسے پورا کر رہے ہیں۔ جب اپنا حق نہ ملے تو دوسرا راستہ اختیار کرنا ہی پڑتا ہے۔"

عمر نے سرد آہ بھرتے ہوئے آخری جملہ ادا کیا۔ حیدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کو کیسے سمجھائے، اسے راہِ راست پر کیسے لائے؟ سو خاموش ہو گیا۔

عمر دو دن بعد اسکول آیا تھا اور حیدر سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ حیدر نے ایک دو بار بات کرنے کی کوشش کی، مگر عمر کی چپ نہیں ٹوٹی تھی، وہ برابر اسے نظرانداز کر رہا تھا۔ تفریح کے وقت حیدر بھی عمر کے ساتھ کمرۂ جماعت میں ہی ٹھہرا باقی لڑکے باہر نکل گئے تھے۔

"تم میری نگرانی کے لیے ٹھہرے ہو نا...؟" عمر کی آواز نے خاموشی کی فضا کو چیرا۔

"نہیں میرے دوست!" حیدر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مت کہو مجھے دوست... تم دوستی کے لائق ہو ہی نہیں، تم دوست ہوتے تو میرا راز میرے ابا جی پر کبھی افشا نہ کرتے، تمہاری وجہ سے ابا جی نے مجھ پر زندگی میں پہلی بار ہاتھ اٹھایا، جانتے ہو انھوں نے مجھے دو تھپڑ مارے۔" عمر نے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ درد ایک بار پھر محسوس کیا۔

"میں تمہارا دوست ہوں، سچا دوست، میں تمہیں کنویں میں گرتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔" حیدر کی بات سن کر عمر استہزائیہ ہنسا تھا۔

"سچا دوست وہ ہے، جو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے تمہیں جنت تک لے جائے، تم جو رستہ چن بیٹھے تھے، وہ تمہیں تباہی کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ تمہارے ابا تم پر ہاتھ اٹھائیں گے، بہت سوچنے کے بعد میں نے تمہارے ابا کو بتایا، کیوں کہ مجھے باپ کے دو تھپڑ زمانے بھر کی ٹھوکروں سے ہزار درجے بہتر لگے۔ باپ کے سامنے شرمندگی سے سر جھکانا، ساری دنیا کے سامنے ذلیل ہونے سے بہتر لگا۔ آج تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، دوستی کا حق ادا نہیں کیا، مگر کسی وقت تمہیں احساس ہوگا کہ میں تمہارا دشمن نہیں، سچا دوست تھا، میں نے جو کچھ کیا، تمہاری بھلائی کے لیے کیا۔ تمہیں مجھ سے بات نہیں کرنی نہ کرو، دوستی نہیں رکھنی نہ رکھو، مگر صرف اک وعدہ کر لو کہ چاہے کیسے ہی حالات ہوں، تم کبھی چوری کرنے کا سوچو گے بھی نہیں۔" حیدر رندھی ہوئی آواز میں کہہ کر جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ عمر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

"تمہارا حرف حرف سچا ہے، تم واقعی میرے سچے دوست ہو، بہترین دوست کبھی آپ کو پُرخار رستے پر چلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے احساس ہو گیا ہے، تم نے میری شکایت نہیں لگائی، دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے میرے دوست!" عمر فرطِ محبت سے حیدر سے لپٹ گیا۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

زینہ

شمائلہ شکیل

"شادی کو دو سال ہو چکے ہیں۔ آخر آپ کہیں اور جا کر قسمت آزمائی کیوں نہیں کر لیتے؟" اسماء نے اپنے شوہر حامد کو چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! میں بھی کافی دنوں سے یہی سوچ رہا ہوں۔" حامد نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"اسما! کہاں ہو؟" حامد گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی کو آوازیں دینے لگا۔

اسماء جلدی سے کچن سے باہر نکل کر حامد کی طرف بڑھتی ہے۔ "جی! کیا ہوا؟ خیریت ہے؟"

"ہاں، خیریت ہی ہے۔ دراصل لاہور میں میرا ایک دوست ہے، جو کپڑے کا کام کرتا ہے۔ میری اس سے بات ہوئی ہے وہ کہہ رہا ہے کہ لاہور آ جاؤ مل کر کام کریں گے۔" حامد نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

"اس کی اپنی دکان ہے کیا؟" اسما نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہیں! دکان تو اپنی نہیں ہے، کسی اور کی دکان پر کام کرتا ہے۔" حامد نے عام سے انداز میں کہا۔

"اچھا، پھر جانا کب تک ہے؟"

"کل ہی۔۔۔۔ تم میری پیکنگ کر دو۔" حامد نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

حامد لاہور اسٹیشن پر اترا تو اس کا دوست عمران سامنے ہی موجود تھا۔ کچھ ہی دیر میں عمران کی بائیک ایک کرائے کے مکان کے سامنے آ کر رکی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت تھا، دونوں دوستوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد عمران حامد کو آرام کرنے کا بول کر خود دکان پر چلا گیا۔

دونوں دوست صبح بارہ بجے سے رات بارہ بجے تک دکان پر کام کرتے تھے۔ دکان کا مالک ایک اچھا آدمی تھا۔

(ایک ہفتہ بعد)

"عمران یار! میں نے کبھی اتنا کام نہیں کیا، نہ زندگی میں کبھی گھر سے اتنا دور جانے کا اتفاق ہوا ہے۔" حامد تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

"ہاں! ظاہر سی بات ہے، ایک امیر باپ کے لاڈلے بیٹے جو ہو۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"ہاں! لیکن اب میں خود بھی ایک بیٹی کا باپ ہوں اور میری بیوی چاہتی ہے کہ میں والد صاحب کی پینشن پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کروں۔" حامد نے آہستہ سے کہا۔

(دو مہینے بعد)

"حامد! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔" عمران پُر جوش سا کہنے لگا۔

"کیا؟" حامد نے نا سمجھی سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کیوں نہ ہم کوئی اپنا کام شروع کریں۔"

"مثلاً؟" حامد نے پوچھا۔

"فاسٹ فوڈ کی دکان کھول لیتے ہیں۔"

"اور پیسے کہاں سے آئیں گے؟" حامد نے کچھ مشکوک انداز سے سوال کیا۔

"لو! بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ لاہور آنے سے پہلے تم نے ہی تو کہا تھا کہ ہم کوئی اپنا کام کریں گے اور تمہارے پاس تو پیسے بھی ہیں۔" عمران نے حامد کو یاد دلایا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن ہم تو پارٹنر شپ کریں گے نا۔۔۔۔۔۔ سب ففٹی ففٹی ہو گا۔" حامد نے سمجھ داری سے کہا۔

"دوست! تمہیں تو سب معلوم ہی ہے، میں غریب آدمی ہوں، اگر اتنا ہی پیسے والا ہوتا تو پہلے ہی نہ اپنا کوئی کام کر لیتا" عمران مسکین صورت بنائے بولا

دکان کی تلاش شروع ہو گئی۔ کبھی لوکیشن پسند نہ آتی تو کبھی کرایہ زیادہ ہوتا، آخر کار ایک ہفتے کی بھاگ دوڑ کے بعد حسبِ منشا دکان کرائے پر مل ہی گئی۔ دکان کے اگریمنٹ پیپرز عمران نے اپنے نام سے تیار کروائے اور پچاس ہزار روپے ماہانہ کرایہ دکان کی آمدنی سے دینا طے پایا۔ دکان کے لیے ضرورت کا تمام سامان خرید لیا گیا۔ یہ خرچہ بھی حامد کی جیب سے ہی کیا گیا۔ یہ دونوں تو چوں کہ کھانا پکانے کے کام سے انجان تھے، لہٰذا ایک فاسٹ فوڈ بنانے والے لڑکے کا ماہانہ تنخواہ پر بندوبست کیا گیا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آج دکان کی شروعات ہو گئی۔" حامد نے عمران کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اب کچھ ہی دنوں میں دکان اچھی چل پڑے گی۔" عمران نے کہا۔

دکان کے سامنے ہی فی الحال دو میزیں اور آٹھ کرسیاں لگا دی گئی تھیں۔ حامد کاؤنٹر پر بیٹھتا اور عمران گاہکوں کو دیکھتا اور آرڈر سرو کرتا۔ اس طرح کام دونوں کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا۔ دن ہفتوں میں بدلے اور چند ہفتوں بعد مہینا بھی ہو گیا، لیکن گاہکوں میں کوئی خاص اضافہ دیکھنے میں نہ آیا۔

"دوست تمام خرچہ پورا کرنے کے بعد دکان کے کرائے میں سے دس ہزار کم پڑ رہے ہیں۔" عمران متفکر لہجے میں بولا۔

"اب کیا کریں؟" حامد سوال کیا۔

"اب تو بس تم ہی یہ کرایا پورا کر سکتے ہو۔" عمران حامد کو دیکھتے ہوئے بولا۔

یہ سب چھ ماہ تک چلتا رہا۔ حامد کی جمع پونجی برابر ہو چکی تھی۔ اب واپسی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ لہٰذا دکان بند کر دی گئی۔ عمران صاحب دوبارہ اسی دکان پر پہنچ گئے، جبکہ حامد میاں اپنے گھر سدھارے۔ یہ حامد کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔

● بقیہ صفحہ نمبر 29 پر

انگریزی ادب سے ماخوذ

بولنے والا درخت

مترجم: ماہم حسن

زین جنگل میں موجود تھا، کیوں کہ اس کو پھل جمع کرنے تھے۔ وہ بہت بھوکا تھا، اس لیے وہ وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے کچھ پھل کھائے اور کچھ جمع کر لیے، جب وہ گھر جانے لگا تو اس نے غور کیا کہ درخت کے تنے کے نچلے حصے میں سوراخ ہے۔ اس نے اپنا سر اس سوراخ کے اندر ڈالا، پھر اوپر دیکھا تو اس کو کھلا آسمان نظر آیا۔ درخت کافی کھوکھلا تھا۔ وہ درخت کے کھوکھلے تنے میں کُود گیا۔ درخت کے دوسری طرف بھی سوراخ تھا، اس نے وہاں سے باہر کی طرف دیکھا۔ ”یہ کتنی اچھی جگہ ہے چھپنے کی۔“ وہ تیز آواز میں بولا: ”کوئی بھی مجھے باہر سے یہاں نہیں دیکھ سکتا۔“ اس کی آواز جنگل میں گونج رہی تھی۔ زین نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی نئی آواز سننے کے لیے گانا گائے، جب وہ گانا گا چکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے، لیکن پھر اس نے سُنا کوئی باتیں کرتے ہوئے اس کی طرف آ رہا ہے، وہ اس آواز کو جانتا تھا۔ یہ علی کی آواز تھی۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جماعت بھی تھے۔

”وہ گانے کی آواز یہیں سے آ رہی تھی۔“ علی نے کہا۔ ”لیکن میں نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا، کیا تم نے دیکھا عالیان؟“

”نہیں۔“ عالیان نے جواب دیا۔ ”مجھے نہیں لگتا کہ یہاں جنگل کے اس حصے میں کوئی انسان ہو سکتا ہے۔“ اُدھر زین ان کی باتوں کے دوران درخت کے اندر چھپا رہا، جب وہ دونوں خاموش ہو گئے تو وہ آہستہ مگر بھاری آواز میں بولا: ”علی اور عالیان تم میری زمین پر کیا کر رہے ہو؟“ تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہیں آیا، پھر علی نے ڈرتے ہوئے پوچھا: ”یہ کس نے کہا؟“

”میں بولنے والا درخت ہوں۔“ زین نے کہا۔

”ہر چیز جو جنگل میں ہے، وہ مجھ سے تعلّق رکھتی ہے اور جب تک تم یہاں پر ہو، تمھیں میرا ہر حکم ماننا ہوگا اور اگر تم نے میری حکم عدولی کی تو میں تمھارے گھر میں آ کر تمھیں پکڑ لوں گا، جب تم سو رہے ہو گے۔ اب جاؤ اور میرے لیے کچھ کھانے کے لیے لے کر آؤ۔“

”ٹھیک ہے، اے بولنے والے درخت!“ عالیان نے لرزتے ہوئے کہا۔

”ہم تمھارے لیے تازہ پھل ڈھونڈتے ہیں اور ابھی لا کر دیتے ہیں۔“ زین ہنسا اور ان دونوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ علی اور عالیان چند منٹ بعد لوٹ کر آئے تو ان کے ہاتھ تازہ پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے سارے تازہ پھل درخت کے کھوکھلے تنے میں ڈال دیے۔

”یہ بہت اچھا کھانا ہے، اے اچھے درخت! ہم اُمید کرتے ہیں کہ تمھیں پسند آئے گا۔“ عالیان بولا۔

”تم دونوں نے بہت اچھا کام کیا۔“ زین نے جواب دیا۔

”اب تم دونوں گھر جاؤ، لیکن یاد رکھو! تم نے میرے اور اس جگہ کے بارے میں اگر کسی کو بھی بتایا تو میں تمھیں مینڈک میں بدل دوں گا۔ تم دونوں روز صبح سویرے اسکول جانے سے پہلے میرے لیے تازہ پھل لا کر دو گے۔ اب جاؤ!“ جب تک علی اور عالیان چلے نہیں گئے زین نے وہیں انتظار کیا، پھر وہ درخت سے نکل گیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اگر علی اور عالیان کو پتا چل گیا کہ بولنے والا درخت کون ہے تو وہ بہت غصہ ہوں گے۔ اس نے سوچا۔

”وہ بہت ڈر گئے تھے ڈرپوک ہی ہی ہی....!“ زین بلند آواز سے ہنسنے لگا۔

یہ اگلی صبح کا وقت تھا۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ زین جلدی اُٹھ گیا اور کھوکھلے تنے والے درخت کی جانب بڑھنے لگا۔ رات کو بہت تیز بارش ہوئی تھی، جس کی وجہ سے زمین گیلی تھی۔ زین لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا درخت کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر وہ درخت تک پہنچ گیا اور اس کے سوراخ کے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ علی اور عالیان کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی چند منٹ گزرے ہوں گے کہ اسے دور سے علی اور عالیان درخت کی طرف آتے ہوئے نظر آئے، انھوں نے ایک بڑا سا تھیلا اور ایک جوس کا گلاس اُٹھایا ہوا تھا۔ وہ چیزیں انھوں نے درخت کے سوراخ میں ڈال دیں۔

زین نے بھاری آواز میں کہا: ”بہت شکریہ لڑکو! اب تم اسکول جاؤ، لیکن کل آنا مت بھولنا۔“ علی اور عالیان چہل قدمی کرتے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ اچانک عالیان رُکا۔ اس نے علی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ سوچ کر بولا: ”مجھے نہیں لگتا کہ یہ کوئی بولنے والا درخت ہے۔ کیا تم نے وہ نشان نہیں دیکھے جو مٹی پر تھے؟ وہ کسی انسان کے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی درخت کے اندر چھپا ہوا ہے اور ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔“

”نہیں، میں نے غور نہیں کیا۔“ علی نے کہا۔

”لیکن میرا خیال ہے کہ ہم چھپ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی اس راستے سے واپس تو نہیں جا رہا۔“ چند منٹ بعد انھوں نے دیکھا کہ زین گنگناتا ہوا اس راستے سے آ رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کھانے سے بھرا ہوا تھیلا اور جوس کا گلاس تھا۔

”اففف۔۔۔! یہ زین تھا۔“ علی حیرت زدہ رہ گیا۔

”کیا ہم اس پر کود دیں اور اس کو ڈرائیں؟“ اس نے عالیان سے پوچھا۔

”ابھی نہیں۔۔۔!“

عالیان نے کچھ

سوچتے ہوئے کہا۔

”میرے پاس اس سے بہتر آئیڈیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ ---“ عالیان کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔

عالیان بھاگتا ہوا کھوکھلے درخت کے پاس پہنچا، علی نے اس کی پیروی کی۔ وہ بہت احتیاط سے پیروں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے آخر کار درخت کے سوراخ تک پہنچ گئے اور ان کو سمجھ آگیا کہ زین نے ان کو کیسے بے وقوف بنایا۔

دوپہر کے وقت تک اسکول ختم ہو گیا تھا، علی اور عالیان جنگل میں گئے اور دو بڑی اور کچھ چھوٹی لکڑیاں تلاش کیں، پھر انھوں نے ان لکڑیوں کو سیڑھی بنانے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد دونوں نے وہ سیڑھی جھاڑیوں میں چھپادی۔

اگلی صبح کا وقت تھا۔ زین دوبارہ درخت کے سوراخ میں جاکر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا، اچانک علی اور عالیان درخت کے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔

”صبح بخیر، اے اچھے دوست ---!

”میں نے تمہارے لیے پھلوں کا جوس خریدا ہے۔ میں درخت کے اوپر چڑھ جاتا ہوں اور تمھارے منھ میں جوس انڈیل دیتا ہوں۔“ علی بولا۔

”نہیں نہیں! ایسا نہیں کرنا۔“ زین چلایا۔

”تم اسے سوراخ کے قریب رکھ دو۔“ لیکن علی تیار تھا، وہ سیڑھی پر چڑھ کر درخت کے اوپر پہنچ گیا۔ پہلے وہ ہنسا اور پھر اس نے پورا جوس زین کے اوپر انڈیل دیا۔ زین کھانسا اور چیخا، وہ چپکنے والا مادّہ اس کی ناک اور آنکھوں میں داخل ہو رہا تھا، پھر عالیان سیڑھی پر چڑھا اور بولا: ”میں تمہارے لیے شہد لایا ہوں، کچھ کیڑے مکوڑے اس کے اندر ہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تمہیں نہیں کاٹیں گے۔“

”کوئی میری مدد کرو، نہیں!!“ زین پھر چیخا۔

لیکن عالیان سیڑھی پر چڑھ چکا تھا۔ اس کے پاس کوئی شہد تو نہیں تھا، بلکہ ایک بڑا مرتبان تھا، جو سنہرے تیل سے بھرا ہوا تھا۔ عالیان نے وہ تیل زین کے سر پر انڈیل دیا۔ زین نے بہت کوشش کی کہ وہ اس کو ہٹالے، لیکن وہ بہت چکنا تھا، زین اب پھلوں کے جوس اور تیل سے ڈھکا ہوا تھا۔

”چلے جاؤ---!“ وہ چیخا۔

”اب تم دونوں کو دوبارہ بولنے والے درخت کے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ زین نے شدید غصّے سے کہا۔

”بالکل ٹھیک ہے زین ---“ علی نے شرارت سے کہا۔

”ہم تمہارا حکم مانیں گے۔“ علی اور عالیان جنگل سے باہر جانے لگے اور وہ دونوں شرارتی ہنسی ہنس رہے تھے۔

بقیہ

زینہ

ایک سال بعد

عمران لاہور سے کراچی حامد سے ملنے آیا تھا۔ یہاں آکر جب اسے پتا چلا کہ حامد تو ایک عدد کپڑے کی دکان کا مالک ہے تو اسے بالکل یقین نہیں آیا۔

”کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہے؟“ عمران نے حیرت کے شدید جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”میرے دوست! ایسا بالکل نہیں ہے۔ حامد نے تردید کی۔

عمران کی بے یقینی اب بھی قائم تھی، لہٰذا بولا: ”پھر پکّا یہ کوئی خواب ہے۔“

”جو ہم دونوں ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ ہیں نا!!“ یہ کہتے ہی حامد نے ٹھنڈے یخ پانی کا گلاس عمران پر انڈیل دیا اور بولا: ”اب کھلی آنکھ؟“

”آااا یہ کیا طریقہ ہے، یقین دلانے کا؟ یہاں مہمانوں کا استقبال ایسے کیا جاتا ہے؟“ عمران نے قدرے تیز آواز میں، جھلّا کر کہا۔

”صرف خواب میں آنے والے مہمانوں کا---“ حامد نے عمران کی حالت کا لطف لیتے ہوئے تصحیح کی۔

”اب سیدھی طرح بتاؤ، یہ سب کیا چکر ہے؟“

”ہاں تو سنو! تمہیں تو معلوم ہی ہے، لاہور جانے سے پہلے تک ساری زندگی میں نے کوئی کام دھندا کیا ہی نہیں تھا اور شادی سے پہلے تو کبھی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا لاہور جاکر کام کرنا میرے لیے زندگی کا ایک نیا موڑ اور مشکل ترین تجربہ ثابت ہوا۔ یوں سمجھ لو کہ جیسے سردی کے دنوں میں گاڑی رات بھر کھڑے رہنے کی وجہ سے اگلی صبح اسٹارٹ نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو فوراً ہی بند ہو جاتی ہے، پھر بار بار کوشش کرنے سے آخر کار انجن گرم ہو ہی جاتا ہے اور ایک بار انجن گرم ہو جائے تو پھر گاڑی کو چلنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ بالکل اسی طرح اللہ پاک نے مجھے لاہور لے جاکر جو رگڑا لگایا، اس نے تو میری زندگی کا رُخ ہی بدل دیا اور مجھے محنت کا عادی بنادیا۔ وہاں جانا میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا، جس سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور الحمد للہ! آج میں اس دکان کا مالک ہوں۔

میرے دوست! زندگی کی ہر مشکل ہمارے لیے کوئی سبق لے کر آتی ہے، جسے سیکھے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لاہور جانا میری منزل کا وہ زینہ تھا، جس پر قدم رکھے بِنا میں یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔“

حامد تو اپنی بات پوری کر کے خاموش ہو گیا، لیکن عمران ابھی تک اس کی گفتگو میں کھویا ہوا تھا۔

حفاظت کے لیے دعا کا اہتمام

بنت محمد

مریم مغرب کی نماز کے بعد نوٹس بنانے میں مصروف تھی کہ اس کے مدرسے کی ناظمہ صاحبہ کا فون آیا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مریم کیسی ہو؟" حسبِ عادت معلّمہ نے خوش خلقی کے ساتھ سلام کے بعد حال احوال دریافت کیے۔ مریم نے بھی سلام کا جواب نہایت ادب سے دیا اور معلّمہ کی طبیعت دریافت کی۔ مختصر سی گفتگو کے دوران معلّمہ نے اسے جمعہ اور ہفتے کے دن اپنے گھر آنے کا کہا۔

"بیٹا! دراصل کل جماعت آرہی ہے، اگر آپ کے پاس وقت ہے تو جمعہ و ہفتے کو میرے گھر آجائیں، مجھے مدرسے جانا ہے، میری عدم موجودگی میں اگر آپ ترتیب دیکھ لیں گی تو مجھے اطمینان رہے گا۔" مریم کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ اسے اساتذہ اگر کوئی کام کہتے ہیں تو وہ انکار کرنے کو بے ادبی سمجھتی ہے، اس لیے مریم نے جانا سعادت سمجھا۔

جمعہ کو صبح نو بجے وہ معلّمہ کے گھر پر موجود تھی، معلّمہ نے ساری چیزیں سمجھائیں اور وہ مدرسے چلی گئیں، اتنے میں مدرسے کی دو سابقہ طالبات اور آگئیں، جس سے مریم کو کچھ ہمت ہوئی، تینوں نے مل کر جو چھوٹے چھوٹے کام رہتے تھے، وہ کیے جماعت کی خواتین کی کچن کے کام میں مدد کی، پھر تعلیم ہوئی، تعلیم کے بعد مرد حضرات کا بیان تھا، وہ ختم ہوا تو اتنے میں معلّمہ بھی تشریف لے آئیں اور سارا نظم معلوم کیا۔

کچھ ہی دیر بعد مریم کا بھائی اسے لینے آگیا، وہ معلّمہ سے اجازت لے کر اگلے دن آنے کی ترتیب پر بات کر کے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔

جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت بھی قریب تھا، اس لیے کافی دکانیں بند تھیں، سڑک اور گلی دونوں سنسان تھیں۔ مریم کے بھائی نے جیسے ہی ایک گلی میں بائیک ٹرن کی تو کچھ ہی دور دو لڑکے بائیک لے کر کھڑے تھے اور ان میں سے ایک مریم کے بھائی کو بائیک سائیڈ پر کرنے کا اشارہ کر رہا تھا اور دوسرا اس کھلونے کو سیٹ کر رہا تھا، جس کے آگے ہر کوئی بے بس ہو جائے۔

بھائی کو فکر کہ بہن ساتھ ہے اور بہن کو فکر کہ بھائی کو کچھ نہ ہو۔

اسی کش مکش اور خوف میں مریم کے بھائی نے دعائیں پڑھتے ہوئے بائیک کی سپیڈ تیز کی اور تیزی سے اشارہ دیتے لڑکے کو کٹ دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ بائیک کی رفتار تیز تھی اور آگے راستہ خراب، بڑے اونچے نیچے پتھروں پر جب تیزی سے بائیک آئی تو مریم اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور ایک جھٹکے سے نیچے گری، لیکن ایسے میں بھی اس نے خود کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی، پیچھے کھڑے لڑکے نے جیسے ہی اس صورتِ حال کو دیکھا تو فوراً قریب آنے لگا، اللہ کا کرنا کہ قریب ہی ہسپتال تھا اور وہاں کھڑے کچھ لوگ جلدی سے بھاگ کر آگئے، ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ مریم دل میں سوچنے لگی۔

"استاد کی بات کا مان رکھا اور دعا ملی، شاید اس لیے آج بچت ہو گئی۔ جماعت والوں کا اکرام کیا، شاید اس کی برکت سے ہم بچ گئے۔ گھر سے دعاؤں کا اہتمام کر کے سفر کی دعائیں بھی مستقل پڑھنے کی وجہ سے اللہ نے بچالیا۔" وہ مستقل ایک کے بعد ایک بات سوچ رہی تھی، آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچی۔ امن و امان کی صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، ہر طرف لوٹ مار، قتل و غارت گری عام ہو چکی ہے، جان محفوظ ہے نہ مال، ایسے میں انسان اپنی حفاظت کیسے کرے؟ تو۔۔۔

1. سب سے اہم تو یہی ہے کہ مسنون دعاؤں کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔
2. گھر سے نکلتے وقت آیۃ الکرسی بہت اہتمام سے پڑھنی چاہیے اور وقفے وقفے سے پڑھتے رہنا چاہیے۔
3. فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ صبح و شام کے علاوہ باہر جاتے وقت بھی پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
4. دعاء ابی درداء اور دعائے انس پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خود پر، بچوں پر، گھر والوں پر باہر نکلتے ہوئے ضرور دم کریں۔
5. اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ سیلف ڈیفنس بھی ضرور آنی چاہیے۔

"نہ" "نا" اور "ناں"

فرق اور استعمال

انتخاب: حفیظ اللہ

نیچے بیان کی گئی مثالوں یا تفصیلات سے ان میں فرق ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

"نہ" کا استعمال

"نہ" نہیں اور مت کے معنوں اور نفی کے جملوں میں استعمال ہوتا ہے: مثلاً نہ کرو، نہ سنو، نہ کہو، نہ بیٹھو، وغیرہ. یہ ہمیشہ جملے کے شروع اور درمیان میں آئے گا۔ آخر میں نہیں۔ مثلاً

نہ تم آئے نہ کھانا کھایا، یہاں نہ بیٹھو۔

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا
نہ چھڑا سکو گے دامن نہ نظر بچا سکو گے

"نا" کا استعمال

جب کسی بات کی تاکید کرنی ہو تو "نا" کا استعمال ہوتا ہے۔ "میرے گھر آؤ نا"، "جانے دیجیے، بچہ ہے نا"

ایک بات ہمیشہ کے لیے پلو سے باندھ لیجیے۔ "نا" کبھی شروع میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا، نا کرو، نا کھاؤ، نا جاؤ، وغیرہ لکھنا غلط ہے۔

آسان پہچان:

ان سب کے بیچ ایک اہم فرق ہے، اسے یاد رکھیے کہ کسی جملے سے "نا" کو ہٹا دیا جائے تو مطلب تبدیل نہیں ہوتا، لیکن "نہ" ہٹانے سے فقرے کا مطلب بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال

"وہی ہوا نا جس کا ڈر تھا' میں سے نا نکالنے سے فقرے کے مجموعی معنی میں فرق نہیں پڑتا۔ وہی ہوا نا جس کا ڈر تھا یا وہی ہوا جس کا ڈر تھا، دونوں سے جملے کے معنوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

لیکن

ناصر کیا کہتا پھرتا ہے، کچھ نہ سنو تو بہتر ہے
دیوانہ ہے، دیوانے کے منہ نہ لگو تو بہتر ہے

یا

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا

ان مثالوں میں سے اگر نہ نکالا جائے تو جملے کا مفہوم مکمل طور پر الٹ جائے گا۔

"ناں"

کو ماہرینِ لسانیات اردو زبان کا لفظ نہیں سمجھتے۔ بلکہ یہ "نا" کا ہی لاڈ سے بگڑا ہوا روپ ہے۔ چونکہ ناں درست نہیں، اس لیے آپ اسے تحریر میں نہ استعمال کریں نا!!!

تیکھی مرچی

بنت مسعود احمد

شلجم میاں کا رو رو کر برا حال تھا، جب کہ بھنڈی، توری، مولی اور گاجر سب اس کے دائیں بائیں بیٹھے افسوس سے اسے روتا دیکھ رہے تھے۔ پھول گوبھی صاحبہ بھی منہ پھلائے ایک طرف خاموش بیٹھی تھیں۔ ایک آلو میاں ہی تھے جو اسے چپ کرانے میں پیش پیش تھے۔ مٹر کے دانے شلجم سے ذرا دور بیٹھے آج کا واقعہ بھیّا لہسن، باجی پیاز اور ادرک آپا کو سنا رہے تھے۔ میتھی بہنا، پالک بھیّا اور ننّھے دھنیا پودینہ، ساگ دادا کے پاس منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ ٹماٹر صاحب بھی لڑھکتے پڑھکتے شلجم کی خبر گیری کو چلے آئے تھے۔ سب سبزیوں میں ایک ہلچل مچی تھی۔ سب سے متحرک کالو بینگن تھے، جو کریلے میاں کو ساتھ لے کر تیکھی مرچی سے باز پرس کرنے جا پہنچے تھے۔

”ارے! ہر دفعہ وہ کسی نہ کسی کا مذاق بنا لیتی ہے، اب کی بار بس، بہت ہو چکا۔“ کریلے میاں انتہائی کڑوے لہجے میں چیخ پڑے۔ بینگن بھی ان کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

”ہاں ہاں، صحیح کہا۔۔۔ پہلے گوبھی سے خوب لڑائی کی اور اب شلجم کا دل دکھایا۔ یہ کہہ کر کہ تمھیں کوئی خریدنا پسند نہیں کرتا، کیوں کہ تم کھانے کے لائق بالکل نہیں ہو۔ مجھے دیکھو ہر کوئی منہ مانگے دام میں لے کر جاتا ہے اور اپنے فریج میں ہمیشہ رکھنا پسند کرتا ہے کہ میں ہر کھانے کی جان ہوں۔“

تیکھی مرچی اپنے نام کی طرح بہت ہی تیکھے مزاج کی تھی۔ اپنے آپ کو دوسری سبزیوں کے مقابلے میں نہ صرف بہت بہتر سمجھتی تھی، بلکہ اپنی سخت طبیعت کے باعث اپنی باتوں سے ہر کسی کی دل آزاری بھی کر جاتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے میں تیکھی مرچی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ چھوٹا ہو یا بڑا وہ سب پر اپنا رعب جماتی۔ کل پھول گوبھی کے ساتھ لڑائی کا واقعہ کچھ یوں پیش آیا۔

گوبھی کو زکام ہوا تو وہ سونے کے لیے اپنی ٹوکری میں جا لیٹی۔ ابھی اسے سوئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کی ناک میں مرچ کی تیز خوشبو چلی آئی اور وہ چھینکوں پر چھینکیں مارتی اُٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو تیکھی مرچی ان کی ٹوکری میں مزے سے محوِ استراحت تھیں اور ان کی چھینکوں کی آواز سے کچھ ہی دیر میں آنکھیں ملتی اُٹھ بیٹھی۔

”گوبھی باجی، آپ بھی نا!!! اتنی زور زور سے چھینک کر نیند کا بیڑا غرق کر دیا۔ آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ کوئی آرام کر رہا ہو تو شور نہیں کرتے۔“ وہ غصے سے چلّاتے ہوئے سخت لہجے میں بولی۔

”مرچی بہن میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں نے جان بوجھ کر آپ کی نیند خراب نہیں کی۔ میری ناک میں جیسے ہی آپ کی خوشبو پہنچی تو چھینکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔“ گوبھی نے نرم لہجے میں وضاحت دی، جسے سن تیکھی مرچی کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

”حد ہو گئی باجی! میں اتنی ننھی سی جان اور آپ کالو دو کلو کا بھاری بھرکم وجود، ذرا سی آپ کی ٹوکری میں، میں کیا آلیٹی، آپ تو دل ہی چھوٹا کر گئیں۔ توبہ میری جو آئندہ آپ کے پاس سے بھی گزری۔“ وہ نخوت سے کر ایک جھٹکے سے اُٹھی اور پھدک کر ٹوکری سے باہر نکل گئی۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا مرچی۔۔۔“ گوبھی بے چارگی سے بولی۔

”رہنے دیں باجی! ہم نے کبھی آپ کو کہا کہ آپ کی بو ہمیں پسند نہیں، پھر آپ اتنی موٹی ہیں، کتنی ساری جگہ گھیر لیتی ہیں۔“

”اف مرچی! خاموش ہو جاؤ۔۔۔ تمہارا غصہ تو ہر وقت ناک پہ دھرا رہتا ہے، ہو اتنی سی، مگر واقعی بہت زیادہ تیکھی ہو۔“ گوبھی بیگم بھی اب چپ نہ رہ سکیں اور یہ کہہ کر وہاں سے چلتیں بنیں۔

ابھی گوبھی اور تیکھی مرچ کے درمیان اَن بَن ہوئے دوسرا دن تھا کہ تیکھی مرچ شلجم کی شامت لے آئی۔ ہر کوئی اس کی دل دکھانے والی باتوں اور سخت مزاجی سے نالاں رہتا۔ ایک بھنڈی تھی جو تیکھی مرچی کی واحد دوست تھی، کیوں کہ مرچی بیگم کو لگتا کہ بھنڈی صاحبہ ان جیسی ہیں۔۔۔ نازک سی پیاری سی۔ باقی سبزیوں کو وہ ہر وقت عجیب عجیب ناموں سے پکارتی، کالو بینگن۔۔۔ آلو موٹے بھالو۔۔۔ چنو منو مٹر۔۔۔ کڑوے کریلے۔۔۔ موٹی گوبھی۔۔۔ اور جانے کیا کیا۔۔۔

سب سنتے مگر خاموش رہتے، کیوں کہ اگر وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے بھی تو وہ فوراً غصے میں آ جاتی تھی، اس لیے سب خاموشی سے برداشت کرتے، مگر اب کی بار تو شلجم کی وہ درگت بنی تھی کہ اس کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ اس لیے ساری سبزیاں اب تیکھی مرچی کا بائیکاٹ کرنے کا پورا انتظام کر چکیں تھیں۔ اسی سلسلے میں بینگن بھیّا کریلے کو زبردستی اپنے ساتھ مرچی کے پاس لے کر گئے تھے۔

”شلجم میاں! دل چھوٹا نہ کرو اور تسلی سے پوری بات ہمیں بتاؤ۔“ لوکی باجی نے آ کر شلجم میاں سے بڑی نرمی سے پوچھا۔ وہ ذرا سا ہچکچائے پھر بتانے لگے کہ ”آج صبح ٹھیلے پر سب ہی سبزیاں نکھری ستھری تھیں اور ایک ایک کر کے گاہک آ کر انھیں خریدتے گئے، سوائے میرے، مجھے کسی نے نہیں خریدا جبکہ تیکھی مرچی ہر سبزی کے ساتھ اتراتی ہوئی جاتی رہی اور ہر بار میرا مذاق بناتی رہی کہ تم بے موسمی ہو، تمہارا کوئی پوچھ بھی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ جب آخر میں بس میں ہی اکیلا رہ گیا تو مرچی مجھ پر خوب ہنسی۔“

”واقعی! یہ تو اس نے بہت غلط کیا۔“ لوکی پوری بات سن افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”یہ تو ہے، پر اُسے کون سمجھائے کہ کسی کا دل دکھانا بہت بری بات ہے۔“ آلو بھیّا ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولے۔

”یہی تو اصل مسئلہ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ بینگن بھائی اس مسئلے کا حل لے کر لوٹتے ہیں یا

نہیں۔" گاجر مولی نے اُمید بھرے لہجے میں کہا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بیگن کے بجائے تیکھی مرچی غصے میں آگ بگولہ شلجم کے سر پر آ پہنچی۔ سب سبزیوں نے حیران ہو کر اس کے تیکھے تیور دیکھے۔

"شکایتی شلجم۔۔۔ ذرا سا مذاق کرنا مشکل ہو گیا تم سے تو۔۔۔ لڑنے کے لیے اپنے دوستوں کو میرے پاس بھیج کر یہاں سب میں بیٹھے ہمدردیاں بٹور رہے ہو۔"

"مییییں، میں نے کسی کو نہیں بھیجا، خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" شلجم کانپتی ہوئی آواز میں سہم کر بولا۔

"تیکھی مرچی خاموش ہو جاؤ، بس بہت ہو چکا۔" الو بھیّا گرجدار آواز میں گرجے۔

"اور تم اب یہاں سے فوراً چلی جاؤ کیوں کہ ہم میں سے کوئی بھی تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔" گاجر آگے بڑھ کر تنک کر بولی۔

"ہاں بالکل۔" مولی نے بھی تائید کی۔

"شلجم شکایتی! اتنے معصوم بنے کیوں بیٹھے ہو، میں نے تم کو ایسا بھی کیا کہہ دیا تھا بولو!"

"مرچی! اس نے کچھ نہیں کہا، بلکہ ساری سبزیاں گواہ ہیں کہ تم نے صبح اپنی باتوں سے شلجم کا بہت دل دکھایا تھا۔" لوکی نے نرمی سے سمجھایا۔

"آپا! اس نے سب کو میرے خلاف بھڑکایا ہے۔" تیکھی غصے سے بولی۔

"نہیں، اس نے کسی کو نہیں بھڑکایا۔ یہ سب تمہارے رویے کی وجہ سے تم سے ناراض ہیں۔"

اب کی بار دور بیٹھی پھول گوبھی بھی سامنے آئی۔

"ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔" ساگ دادا بارعب لہجے میں آکر بولے۔

"اچھھا تو کیا میں اتنی بری ہوں۔" تیکھی مرچی رو دینے کو تھی۔

"نہیں تم تو سب سے اچھی ہو اور ہم سب اتنے اچھے نہیں، اس لیے ہم آیندہ کبھی تم سے بات نہیں کریں گے۔" پالک بھیّا آگے بڑھ کر ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولے، وہ دیکھ رہے تھے کہ مرچی پہلی بار اپنے کیے پر کچھ شرمندہ سی تھی۔ انھوں نے سوچا نرمی سے اس کو کئی بار سب ہی سمجھا چکے ہیں، کیوں نا ذرا سزا دی جائے، تاکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ یوں وہ افسردہ سی سب سبزیوں کے درمیان سے خاموشی سے واپس پلٹ آئی اور اپنی ٹوکری میں آکر وہ بہت روئی، اسے آج صبح کا سارا واقعہ یاد آنے لگا، پھر اسے گوبھی باجی کی باتیں بھی یاد آنے لگیں۔ اتنے میں بھنڈی نے اس کی ٹوکری میں جھانکا اور اسے روتا دیکھ اس کے پاس آ بیٹھی۔

"کیا ہوا؟ یہاں افسردہ سی اکیلی کیوں لیٹی ہو؟ سب اتنا ہنسی مذاق کر رہے ہیں، پتا ہے آلو میاں اپنے قصے سنا کر سب کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر رہے ہیں۔" بھنڈی نے انجان بنتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں ان سب کے درمیان نہیں آ سکتی، کیوں کہ وہ سب مجھ سے ناراض ہیں۔"

"اگر تم اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر آیندہ اچھا رویہ رکھنے کا عزم کرو گی تو سب تمہیں دوبارہ سے دوست بنا لیں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم میری اچھی دوست ہو، پر ایک بہترین دوست ہونے کے ناتے میرا یہ فرض ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ غلطی پر تم ہی ہو۔"

"کیا واقعی میں ہی غلط ہوں؟" مرچی آنسوؤں سے گیلی ہوتی آنکھیں پونچھ کر حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"میں تمہاری دل آزاری کے ڈر سے ہمیشہ تمہاری ہاں میں ہاں ملاتی آئی کہ کہیں تمہارا دل میری طرف سے دکھی نہ ہو جائے، مگر اب مجھے اپنی غلطی سدھارنی ہو گی۔ تم بہت غصہ کرتی ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاتی ہو، اس لیے میں نے بھی کبھی تم سے بحث نہیں کی، جب ہی ہماری دوستی آج تک قائم ہے۔" تیکھی مرچی حیران و پریشان بھنڈی کی باتیں سن رہی تھی۔

"میں اب کیا کروں، تم ہی کچھ حل بتاؤ؟" مرچی لاچاری سے پوچھنے لگی۔

"اب تم سب سے بڑھ کر اپنے غلط رویے کی معافی مانگو اور اپنی خراب عادتوں کو چھوڑنے کی کوشش شروع کرو۔" یہ کہہ کر بھنڈی تیکھی مرچی کو ساتھ لے کر سب کے درمیان لے آئی۔

"مجھے معاف کر دو پیارے شلجو! تمہیں معلوم ہے کہ تم کتنے خوب صورت ہو؟ اتنا سفید رنگ، پھر اس پر یہ ہرے ہرے پتے واقعی تم بہت اچھے ہو۔۔۔ اور جانتے ہو تم میں وٹامن سی کتنا بھرپور ہے۔۔۔ پھر تمہارے کتنے فوائد ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے مقصد نہیں اگایا میرے بھائی!" آج تیکھی مرچی کی زبان شہد کی ندیاں بہا رہی تھی۔ ساری سبزیاں آنکھیں مسل مسل کر تیکھی مرچی کو دیکھ رہی تھیں اور مسرّت اور حیرت کی دوہری کیفیت میں گھری اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کو بے یقینی سے سن رہی تھیں۔

"پھول گوبھی باجی! آپ بہت بہت اچھی ہیں، اس دن میں نے آپ سے بہت زیادہ بدتمیزی کی۔" اچانک تیکھی مرچی کچھ یاد آنے پر پھول گوبھی کے پاس دوڑی، پھر محبت سے معافی مانگتے ہوئے بولی۔

مرچی کی بات سن کر پھول گوبھی کا چہرہ گلاب کے پھول کی مانند کِھل اٹھا۔

"پیاری مرچی! تم بھی بہت بہت اچھی ہو۔" گوبھی نے تیکھی مرچی کو اپنے پتوں میں چھپا کر اپنے سے قریب کیا۔

"نہیں، میں کہاں اچھی ہوں۔ سب سے لڑتی جھگڑتی ہوں، سب کا دل دکھاتی ہوں۔"

"پیاری مرچی! اگر تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو یہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ اب پرانی باتیں بھول جاؤ۔" آلو میاں بڑھ کر بولے۔

"ہاں پیاری! ہم سب تمہارے دوست ہی ہیں۔" لوکی مسکرا کر بولی اور جانتی ہو حدیث شریف میں آتا ہے "جو نرمی اور مہربانی سے محروم رہا، وہ ہر خیر و بھلائی سے محروم رہا۔"

"بالکل۔۔۔ اور غصہ اور غرور جیسی بری عادات بھی اللہ پاک کو پسند نہیں ہیں۔" ککڑی نے بات بڑھائی۔

تیکھی مرچی سر جھکائے شرمندہ سی سب کی باتیں سن رہی تھی۔

"اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے کہ سب مجھ سے کیوں کتراتے تھے اور بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔"

"شاباش! اب تم جب یہ سمجھ چکی ہو تو سب کو اپنے اخلاق سے گرویدہ کر لو۔۔۔ ہر کوئی نا صرف تم سے بات کرنا پسند کرے گا بلکہ تمہیں دوست بھی بنا لے گا۔" آلو بھیّا مسکرا کر بولے۔

"اب میں ایسا ہی کروں گی۔۔۔ ان شاء اللہ۔" تیکھی مرچی پُر عزم ہو کر بولی۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

بحال پاکستان

آو کریں پھر سے آباد پیارے وطن کو۔!

BAITUSSALAM

مکانات، اسکولوں کی تعمیر اور روزگار کی فراہمی

Overseas donors

MONTHLY $ 10

YEARLY $ 120

ممبرشپ

ماہانہ 1000 روپے

سالانہ 12,000 روپے

ادائیگی کے 2 طریقے

1.

بیت السلام کے دفاتر میں ادائیگی

2.

تمام نئے ممبران کو 99911 سے ہر ماہ ایک پیمنٹ لنک کے ساتھ ایک SMS بھی موصول ہوگا، اگر پہلے ہی ادائیگی کر دی گئی ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ پے فاسٹ کے ذریعہ ادائیگی کے درج ذیل طریقے دستیاب ہیں۔

موبائل والیٹ

easypaisa

upaisa ZINDIGI

کارڈز

VISA PayPak

کسی بھی اے ٹی ایم جس میں 1LINK دستیاب ہو / بینک / موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ / TCS سے ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

بینک میں ڈائریکٹ ڈیبٹ کی سہولت دستیاب ہے

اے ٹی ایم کے لیے

ATM مشین میں کارڈ اور پن نمبر ڈالنے کے بعد اس تسلسل سے آپشنز پر کلک کریں

bill payment >1bill Voucher / Invoice Payments>

99911 سے موصول شدہ واؤچر نمبر کا اندراج کر کے ادائیگی مکمل کریں

کسی بھی 1LINK سے چلنے والے بینک یا TCS پر جائیں، نمائندے کو بتائیں کہ آپ بیت السلام کو 1BILL انوائس / واؤچر کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہتے ہیں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والا واؤچر فراہم کریں، کیش فراہم کریں اور رسید لیں

موبائل اور انٹرنیٹ بینکنگ صارفین

اپنے اکاؤنٹ میں لاگ ان کریں، بل کی ادائیگی پر جائیں 1BILL کا انتخاب کریں، 99911 کے ذریعے موصول ہونے والے واؤچر کو داخل کریں۔

ایک بڑا منصوبہ

Baitussalam USA بیت السلام

PayPal

PayPal.me/BaitussalamUSA

Zelle

donation@baitussalamusa.org

رجسٹریشن کے 4 طریقے

- بیت السلام کے دفاتر
- بیت السلام موبائل ایپ
- بیت السلام ویب سائٹ
- 111 اور اپنا نام لکھ کر 83833 پر بھیجیں مثلاً 111 TALHA

لینے کے دینے

عرفان حیدر

گرد و غبار اُڑاتی سفید سیوک کار کراؤن ریسٹورنٹ کے سامنے رُکی۔ کالا چشمہ آنکھوں پر سجائے، پینٹ کوٹ میں ملبوس ایک تیس سالہ آدمی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بغیر رُکے تیزی سے ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ راستے میں موجود ویٹرز اسے مؤدّبانہ انداز میں سلام کرتے اور وہ انھیں مسکراتے ہوئے جواب دے کر آگے بڑھ رہا تھا۔ لفٹ کے ذریعے وہ عمارت کی تیسری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ وہ لفٹ سے باہر نکلا اور ہال کے دائیں جانب موجود پہلے کمرے کی طرف بڑھا۔ یہ میٹنگ روم تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں موجود میز کے پیچھے رکھی کرسی پر ریسٹورنٹ کا ادھیڑ عمر مالک ملک شہباز براجمان تھا۔

"السلام علیکم!" وہ شخص میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا اور چشمہ اتار کر میز پر رکھ دیا۔

"وعلیکم السلام!" ملک شہباز کرسی کی ٹیک چھوڑ کر بولا۔ "جلدی آجانے کے لیے شکریہ۔"

"شکریہ کی کیا بات، آپ بتائیں کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"دیکھو فاروق! اب میری بات کو انتہائی تحمّل سے سننا۔" ملک شہباز کے لہجے میں سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا۔ فاروق نے فقط سر ہلا کر جواب دیا۔

"بات یہ ہے کہ ہم کچھ عرصے سے ایک غیر ملکی تنظیم کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ ہمیں سستے داموں حرام جانوروں کا گوشت دیتے ہیں اور ہم اس کو اپنے ریسٹورنٹ میں استعمال کرتے ہیں۔" ملک شہباز نے اطمینان سے بات بتانا شروع کی۔

"کیا۔۔۔ حرام جانور، لیکن!" اس نے فاروق کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "تمھاری تنخواہ پانچ گنا بڑھ جائے گی۔" ملک شہباز کہہ کر مسکرانے لگا۔

"م م مجھے کرنا کیا ہے؟" چند ساعتوں بعد فاروق جھجک رہا تھا۔

"اس تنظیم سے ڈیلنگ تم کرو گے اور اس ہوٹل کا سارا کنٹرول تمھارے پاس ہو گا۔" ملک شہباز نے بات بڑھائی۔

"اتنا بڑا کام اور بس دس لاکھ؟" فاروق کی آنکھوں میں لالچ واضح تھا۔

"یعنی تم مان گئے ہو تو میں تمھیں بیس لاکھ دوں گا۔" ملک شہباز نے سادہ الفاظ میں اس کے سامنے نئی پیشکش رکھ دی۔

"مجھے منظور ہے۔" فاروق کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"اب اگلی بات سنو! ہم فرائیڈ ہاؤس کو فلاپ کروانے والے ہیں۔ وہاں اپنے کسی ایمان دار آدمی کو بھیجو، جو وہاں جا کر اس ریسٹورنٹ کو فلاپ کرے گا۔ مزید پلان تم ہی بناؤ گے۔" ملک شہباز نے اسے اگلا کام سونپا۔

"یہ بھی ہو جائے گا۔" فاروق نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"تم نے آج مجھے خوش کر دیا ہے فاروق! تمھاری وفاداری اور کام میں دیانت داری کا تو میں پہلے سے ہی گرویدہ تھا، مگر تم اتنی جلدی اس کے لیے بھی مان جاؤ گے، مجھے نہیں لگتا تھا۔" ملک نے تعجّب کا اظہار کیا۔

"پیسا! یہ پیسے کی طاقت ہے ملک صاحب! پیسے کی۔" فاروق نے چشمہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اب سے تم اور میں پیسوں میں کھیلیں گے۔"

حمید ٹاؤن ایک بہت بڑا علاقہ تھا۔ اس شہر میں صرف دو ریسٹورنٹ تھے۔ ایک کراؤن ریسٹورنٹ اور دوسرا فرائیڈ ہاؤس۔ ان دونوں ریسٹورنٹ میں کڑا مقابلہ تھا۔ فرائیڈ ہاؤس اپنے مناسب داموں اور بہترین کوالٹی کی وجہ سے عوام میں زیادہ مقبول تھا۔ ملک شہباز کراؤن ریسٹورنٹ اور محمود خان فرائید ہاؤس کا مالک تھا۔ ان دونوں میں پہلے گہری دوستی تھی، مگر ریسٹورنٹ بنانے کے بعد ملک شہباز نے اپنے دوست کے لیے عداوت پال لی تھی۔ فاروق ملک شہباز کے ریسٹورنٹ کا منیجر تھا۔ ابھی اس کی نوکری کو ایک سال سے کچھ کم عرصہ ہوا تھا، مگر وہ ملک اور اپنی نوکری سے بہت مخلص تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب ملک شہباز نے فاروق کو اپنے خفیہ پلان میں شامل کر لیا تھا۔

فرائیڈ ہاؤس میں ایک نوجوان لڑکا داخل ہوا۔ وہ پینٹ شرٹ میں ملبوث تھا۔ فرائید ہاؤس کے گراؤنڈ فلور پر ہی محمود خان کا دفتر تھا۔ وہ محمود خان کے دفتر کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔

"جلدی آؤ عمران! تمھارا ہی انتظار کر رہا ہوں۔" محمود خان اس لڑکے کو دیکھتے ہی اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔

"راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی، اس لیے دیر ہو گئی۔" عمران نے آگے بڑھ کر محمود خان سے مصافحہ کیا۔

"بتاؤ! کیا منصوبہ ہے؟" خان نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ملک، فرائیڈ ہاؤس کو فلاپ کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود کسی دوسرے شہر میں ریسٹورنٹ کی نئی شاخ کھولنے جا رہا ہے۔" عمران نے فوراً کہا۔

"چلو، پھر ایسے ہی کرتے ہیں جیسا وہ چاہتا ہے۔ ہم ملازمین کو اس ماہ کی تنخواہ دے چکے ہیں۔ فرائیڈ ہاؤس کچھ دن کے لیے بند ہو رہا ہے۔ اخبارات کو اطلاع دے دو کہ فرائیڈ ہاؤس میں آگ لگنے کی وجہ سے ریسٹورنٹ غیر معیّنہ مدّت تک بند رہے گا۔" خان نے بڑے اطمینان سے اپنا منصوبہ بتایا۔

"کیا دماغ پایا ہے خان صاحب! واہ۔۔۔" عمران مسکرانے لگا۔

رقص کرتی خوش بو دار ہوا ماحول کو پُرکشش اور آرام دہ بنا رہی تھی۔ چڑیاں چہچہاتے ہوئے جھومتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فاروق اپنے گھر کے ہرے بھرے لان میں بیٹھے لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھا۔ اچانک اس کے موبائل پر کال کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ کال عمران کی تھی۔ وہ کالر کا نام دیکھ کر مسکراتے ہوئے کال اٹھاتا ہے۔

"کام ہو گیا ہے۔ اپنا واٹس ایپ چیک کریں۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"شاباش!" فاروق نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

اس نے اپنا واٹس ایپ کھولا تو عمران نے دس کے لگ بھگ تصاویر بھیج رکھی تھیں۔ اس نے

بقیہ صفحہ نمبر 36 پر

کامیاب کون؟

ام محمد عبداللہ

"امی میں ناکام ہو گیا، بری طرح ناکام!!" ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بمشکل تمام سلمان کے منہ سے یہ دو جملے نکلے۔ وہ رونے لگا تھا۔

"الٰہی خیر!" امی جان کا تو جیسے دل ہی ڈوب گیا۔ سلمان تو روزانہ اسکول سے ہنستا مسکراتا آتا ہے۔ آج اسے کیا ہوا؟

"کیا ہوا سلمان؟ کچھ بتاؤ تو۔۔۔" امی جان نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"امی جان! بھیّا کے اسکول میں مقابلۂ ریاضیات تھا۔ سب مراحل میں ان کی جماعت جیت رہی تھی کہ آخری مرحلے میں بھیّا کی غلطی کی وجہ سے یہ اور ان کے ساتھی ہار گئے۔ سب ساتھیوں نے انھیں خوب برا بھلا کہا۔"

"اوہ!" امی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "امی! مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔ میں ناکام ہو گیا۔" سلمان امی کے ساتھ لگا سسکیاں لے رہا تھا۔

"امی جان! میں نے پڑھا تھا، "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ" کامیاب ہوا وہ جو اسلام لایا۔ سلمان بھائی کا دین بھی تو اسلام ہے، پھر یہ کیوں ناکام ہو گئے؟" کاشف نے امی کو مخاطب کیا۔ کاشف کی بات سن کر جہاں امی ہنس پڑیں، وہاں ابا جان بھی مسکرا دیے۔

"سلمان بیٹا! منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو جاؤ۔" ابا جان نے شفقت سے سلمان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ شام کو امی اور بابا جانی سب بچوں کو سیر کے لیے دریا کے کنارے لے آئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، پانی کا شور، لہلہاتا سبزہ، فضا میں اڑتے کبوتر اور چڑیاں سلمان کو سب روکھا پھیکا لگ رہا تھا۔ وہ سب جوتے اتار کر دریا کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں رکھے ایک بڑے پتھر پر آن بیٹھے تھے۔

"بابا جانی! جب بھیّا اسلام لے آئے تو پھر یہ ناکام کیسے ہو گئے؟" کاشف کا ذہن ابھی تک سلمان کے اسلام اور ناکامی میں اٹکا ہوا تھا۔ اسے اپنے بھائی کا اُداس چہرہ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"کاشف بیٹے! سلمان کو لگ رہا ہے کہ وہ ناکام ہوا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، شیطان ایک معمولی سی بات کو بہت بڑا کر کے دکھا رہا ہے۔" سلمان نے چونک کر بابا جانی کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"بابا جانی! دنیا میں بہت سے مسلمان ناکام دکھائی دیتے ہیں، کیا وہ سب سچے مسلمان نہیں ہیں؟" کرن کا ذہن بھی اُلجھ سا گیا تھا۔ بابا جانی کرن کی بات سن کر مسکرا دیے، پھر بولے: "آپ بچوں کے سوال کے جواب میں تین اہم باتیں سمجھتے ہیں۔"

"کون کون سی؟" سائرہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"اسلام، کامیابی اور ناکامی۔" بابا جانی نے بتایا۔

"اچھا، یہ بتاؤ اسلام کیا ہے؟"

"اسلام ایک کامل دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو نہ صرف مخصوص عقائد و نظریات کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے، بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر یہ دین مسلمانوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔ اسلام ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، روزِ قیامت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائیں۔ یہ بھی کہ مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ جی اٹھنا ہے۔

"ان سب باتوں کا کامیابی سے کیا تعلق؟" سائرہ نے سوال کیا۔

"اچھا بھلا کامیابی ہوتی کیا ہے؟" بابا جانی نے الٹا بچوں سے سوال کر لیا۔

"کامیابی؟؟؟ بچے سوچ میں پڑ گئے۔ "فرسٹ آنا۔" کاشف بولا۔ "اچھا کھانا اور اچھے کپڑے؟"

کرن نے سوالیہ نظروں سے بابا جانی کی جانب دیکھا۔

شاید اچھا اور بڑا گھر سائرہ کچھ سوچتے ہوئے بولی بڑا کاروبار اور گاڑی سلمان نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا اور ناکامی کیا ہے؟" امی جان نے پوچھا۔

"ناکامی۔۔۔" بچوں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "کوئی امتحان میں فیل ہو جائے، مقابلہ ہار جائے۔" کاشف نے خیال ظاہر کیا۔ "کوئی پڑھ لکھ نہ سکے یا غریب ہو۔" کرن بولی۔ "کسی کا کوئی بھی دوست نہ ہو یا کوئی خوش نہ ہو۔" سائرہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا تو سنو! جو کامیابی آپ نے بتائی، نہ وہ کامیابی کوئی کامیابی ہے اور نہ ہی جو ناکامی آپ نے بتائی، وہ ناکامی کوئی ناکامی ہے۔" بابا جانی نے بچوں کو بتایا۔۔۔

"تو پھر ناکامی اور کامیابی کیا ہے؟" بچے جاننا چاہتے تھے۔

"پیارے بچو! آپ نے کامیابی اور ناکامی کو صرف دنیاوی تناظر اور خاص کر کے اپنے دنیاوی تناظر میں دیکھا ہے۔" بابا جانی نے کہا۔

"جی ہاں!" اور یہ ہی وہ غلطی ہے، جو مغربی مفکّرین کرتے ہیں، یعنی کامیابی کا محدود اور مادّی تصوّر جب کہ ہمارا دین ہمیں کامیابی کا اس سے وسیع تر تصور دیتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا تصوّر۔۔۔ امی جان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ سورۃ البقرۃ آیت 201 میں یہی دعا تو ہمیں سکھائی گئی ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی بھلائی عطا فرما اور آخرت کی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

بابا جانی بچوں کو بتانے لگے: اسلام کی نظر میں حقیقی کامیابی، جسے وہ 'فلاح' اور 'فوز' کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے، یہ ہے کہ آخرت میں جب انسان کے اعمال تولے جائیں تو اس کے اچھے کاموں کا پلڑا بھاری ہو جائے اور اسے جنّت کا مستحق قرار دے دیا جائے، جس شخص کے اچھے کاموں کا پلڑا آخرت میں ہلکا ہو گا اور اس کی بنا پر اسے جہنم ڈالا جائے گا، اسلام کے نزدیک وہ درحقیقت ناکام اور خسارے میں رہنے والا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ
فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ
تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ

"اس وقت جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔"

﴿المومنون:102-104﴾

اگر جنت کا حصول کامیابی اور جہنم کا ایندھن بننا ناکامی ہے تو دنیا میں پیش آنے والے حالات و واقعات کیا ہیں؟ سلمان نے بابا جانی سے پوچھا۔

بیٹا دنیا کی زندگی مختصر اور ختم ہونے والی ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک امتحان کی مانند ہے۔ یہ وہ راستہ ہے، جس سے گزر کر ہمیں اپنی منزل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت تک پہنچنا ہے۔ آپ روزانہ صبح اسکول جاتے ہیں، اگر آپ راستے میں ہر غبارے، پھول اور تتلی کے پیچھے دوڑنے لگیں تو کیا اسکول پہنچ پائیں گے؟ امی جان نے بچوں سے سوال کیا۔

"نہیں۔" کاشف نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اسی طرح اگر ہم دنیا کی ہر چیز کے پیچھے بھاگنے لگیں تو اپنی منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے۔" امی جان نے وضاحت کی۔

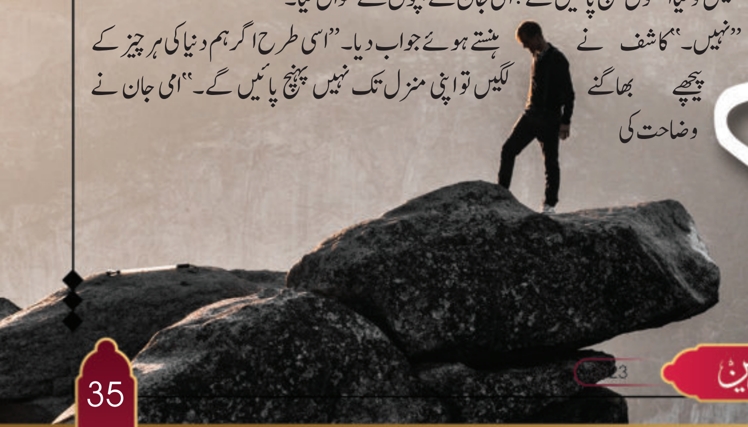

"اچھا یہ بتائیں اسکول جاکر ہم پڑھنے کے بجائے کھیل میں مصروف ہوجائیں تو کیا ہو۔" باباجانی کے پوچھنے پر بچے ایک بار پھر ہنس پڑے۔

"فیل ہو جائیں گے۔" کرن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اسی طرح ہم اس دنیا میں ایمان کی دولت کی حفاظت کرتے ہوئے اگر نیک اعمال کو اپنا شعار بنائیں گے تو ابدی کام یابی پائیں گے، وگرنہ جہنم کی صورت ایک بڑی ناکامی منہ کھولے بیٹھی ہے۔" باباجانی نے وضاحت کی۔

"لیکن باباجانی! دنیا کی کام یابی بھی ہمیں خوش اور ناکامی غمگیں کرتی ہے۔ اس کا کیا کریں؟" سلمان نے پوچھا۔

"بیٹا! یہ ایک فطری بات ہے، لیکن یہ خوشی اور غم دونوں اعتدال میں ہوتے رہیں، نہ خوشی ہمیں حدود اللہ کو پار کرنے پر اُکسائے اور نہ ہی غم ہمیں عضوِ معطّل بنادے۔ ہمیں ہر لمحہ، ہر آن اپنی ابدی کام یابی پر نظر رکھتے ہوئے سر گرم رہنا ہے۔ خوشی میں شکر اور عملِ صالح کے ساتھ اور غم میں صبر اور عملِ صالح کے ساتھ۔" باباجانی بات سمجھا کر خاموش ہوگئے تھے۔ بچوں کی نگاہیں دور اُفق کے پار اپنی ابدی کام یابی جنّت اور اپنے رب کی رضا کو کھوج رہی تھیں۔ وہ جان چکے تھے، یہ دنیا محض ایک رستہ ہے، جس کے نہ پھول اتنے پُرکشش ہیں کہ ان کی طرف لپکا جائے اور نہ کانٹوں کی چبھن اتنی اہمیت والی ہے کہ اس پر دیر تک رویا جائے۔ انھیں بس اس رستے پر ایمان، صبر اور شکر کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی منزل کو پانا تھا۔ ان شاءاللہ!!

وہ تصاویر دیکھنا شروع کیں۔ وہ سب مختلف اخبارات کے تراشے تھے، جن میں یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ "فرائیڈ ہاؤس میں اچانک آگ لگ گئی۔ آگ پر جلدی قابو نہ پایا جاسکا، جس کی وجہ سے عمارت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ ریسٹورنٹ انتظامیہ کی جانب سے فرائیڈ ہاؤس کی بندش کا اعلان کردیا گیا ہے۔"

"ملک صاحب! آپ کا کام تو ہوگیا۔" فاروق نے خبر پڑھی تو منہ میں بڑبڑانے لگا۔

فاروق موبائل پر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے کال ملائی اور فون کان سے لگالیا۔

"ملک صاحب! کام ہوگیا ہے۔ اب فرائیڈ ہاؤس کو فلاپ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" فاروق نے کہا۔ "ابھی ابھی اخبار میں خبر دیکھی ہے۔ تمھیں ہی کال کرنے والا تھا۔" دوسری طرف سے ملک شہباز کی آواز آئی۔

"کل رات کی میٹنگ بھی کام یابی سے مکمل ہوئی تھی اور مال آج دوپہر تک یہاں پہنچنے والا ہے۔" فاروق نے اپنی کارکردگی بتاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں بھی دوپہر تک آجاؤں گا۔"

"آج مال رکھوانا ہے، اس لیے سب ملازمین کو چار بجے بلایا ہے۔ آپ ریسٹورنٹ پہنچ جائیے گا، وہاں عمران موجود ہوگا۔ میں بھی دو بجے تک آجاؤں گا۔" فاروق نے کہا۔

"عمران کون؟" ملک شہباز نے حیرانی سے پوچھا۔

"اوہ! معذرت اس کا تعارف کروانا بھول گیا تھا۔ عمران وہی ہے، جس نے فرائیڈ ہاؤس میں کل آگ لگائی تھی۔" فاروق نے عمران کا تعارف کروایا۔

"خوب! ٹھیک ہے، میں فون رکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ملک شہباز نے فون کاٹ دیا۔

دوپہر اپنے عروج پر تھی کہ کراؤن ریسٹورنٹ کے سامنے ملک شہباز کی گاڑی آرکی۔ ریسٹورنٹ سنسان پڑا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا اور لفٹ کے ذریعے اپنے دفتر کی جانب بڑھا۔ وہ دفتر میں جاکر اپنی نشست پر بیٹھتا ہی تھا کہ عمران دفتر میں داخل ہوجاتا ہے۔

"آپ کو ملک شہباز ہونا چاہیے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم یقیناً عمران ہو۔" ملک نے جواباً کہا۔

"مال نہیں پہنچا کیا؟" ملک جواب طلب نظروں سے عمران کو دیکھ رہا تھا۔

"پہنچ چکا ہے۔ دیکھنا چاہیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور، چلو آؤ!" ملک اپنی نشست سے اٹھا، دونوں دفتر سے نکلے اور گراؤنڈ فلور پر واقع اسٹور کی جانب جانے لگے۔

اسٹور میں داخل ہوتے ہی اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ وہاں کئی آدمی بندھے ہوئے تھے، جن کے منہ پٹیوں سے بند کیے ہوئے تھے۔ وہ بار بار چیخنے کی ناکام کوششیں کررہے تھے، جیسے کچھ کہنا چاہ رہے ہوں۔

"یہ، یہ کون ہیں؟" ملک نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم انھیں نہیں پہچانتے؟" عمران کے لہجے میں بلا کی دہشت تھی، جسے سنتے ہی وہ خوف زدہ ہوگیا۔

"ملک! ملک! کتنے بیوقوف ہو نا؟" فاروق اسٹور کے پچھلے دروازے سے نکل کر بولا۔ اسٹور میں چھپے ہتھیاروں سے لیس پولیس اہلکار بھی باہر نکل آئے۔

"یہ سب، یہ سب کیا ہے؟" ملک شہباز شش وپنج کا شکار تھا۔

"ابھی بھی سمجھ نہیں آئی؟ تمھیں لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔" محمود خان نے اسٹور میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا وفادار منیجر نہیں، بلکہ حسّاس ادارے کا آفیسر ہوں۔ ہمیں معلومات ملی تھیں کہ کراؤن ریسٹورنٹ کا مالک غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ تمہارا پردہ فاش کرنے کے لیے میں تمہارے ریسٹورنٹ کا منیجر بنا۔ میں ان ہاتھوں تک پہنچنا چاہتا تھا جن کی تم کٹھ پتلی ہو۔ میٹنگ کے بعد میں نے ان سب کی لوکیشن ٹریس کرلی تھی۔ تمہارے مرکزی اڈے پر بھی چھاپہ پڑ چکا ہوگا۔" فاروق نے کرسی پر بیٹھ کر تفصیلاً اسے ہر بات سمجھائی۔

"مجھے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جان لو کہ میں بھی آئی ایس آئی کا ایک آفیسر ہوں۔ فرائیڈ ہاؤس میں آگ لگنے والی خبر صرف اس جال کا ایک حصہ تھی، جو ہم نے تمھیں اور تمہارے مالکوں کو پکڑنے کے لیے بچھایا تھا۔" عمران نے غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"خان صاحب! آپ کا شکریہ، آپ نے قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیا۔" فاروق نے محمود خان کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے اس شخص کو اپنا دوست کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پیسوں کی لالچ نے اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی کہ اسے اچھے برے کی تمیز بھی بھول گئی۔ یہ اس حد تک گر سکتا تھا، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" محمود خان نے ملک شہباز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ان شاءاللہ! ملک شہباز کو اور جس گروہ کے ساتھ یہ گھٹیا کام کررہا تھا، ہم اس کو عبرت کا نشان بنائیں گے۔" فاروق کے اشارے پر پولیس اہل کار آگے بڑھ کر اسے ہتھ کڑی لگانے لگا۔ ملک شہباز ذہنی طور پر ابھی تک اس بات کو قبول ہی نہیں کرپایا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔

ایک اور ایک گیارہ 11

حفصہ فیصل

"یہ بھیا کو کیوں ملا؟ یہ مجھے ملنا چاہیے تھا۔" فہد نے منہ بسورتے ہوئے اپنے بڑے بھائی اسد کو ملنے والے کھلونے کی مخالفت کی۔

"فہد! آپ دس سال کے ہو چکے ہو، اب تک اپنے بڑے بھائی اسد سے چڑتے ہو، آخر آپ دونوں میں اتفاق کب پیدا ہوگا؟" امی نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

فہد بھی ضد میں اول نمبر پر تھا، اس نے امی کی بات پر توجہ ہی نہ دی اور آخر کار اسد کا کھلونا فہد کو ہی دینا پڑا، پھر ہی یہ معاملہ ٹلا۔

عبداللہ صاحب کے دو بیٹے اسد اور فہد اب دس اور بارہ سال کے ہو چکے تھے، مگر دونوں کی تُو تُو مَیں مَیں روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی، جس کی وجہ سے بیگم عبداللہ بہت پریشان تھیں۔ وہ دونوں کو گاہے لگاہے سمجھاتی رہتیں۔ اسد تو پھر بھی کچھ نہ کچھ سن اور مان لیتا، مگر فہد کو تو بڑے بھائی سے اللہ واسطے کا بیر تھا، جہاں کہیں بھائی کا معاملہ ہو، فہد کا درمیان میں ٹانگ اڑانا ضروری ہوتا تھا۔

"میں بھی جاؤں گا۔ دادا جان صرف بھائی کو ہی کیوں لے جا رہے ہیں؟ مجھے کیوں نہیں۔" اور پھر فہد چلا چلا کر رونے لگا۔

دراصل آج اسد اور فہد کے دادا جان کے دوست کے ہاں چائے پارٹی تھی۔ اسد کی دوستی دادا جان کے دوست کے پوتے علی سے تھی، اسی لیے اُسے بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مگر یہ بات فہد کو ہضم نہیں ہو رہی تھی اور آخر چارو ناچار دادا جان فہد کو بھی ساتھ لے گئے۔

امجد انکل، دادا جان کے دوست ان تینوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ امجد انکل نے فہد اور اسد کو ساتھ دیکھ کر کہا: "واہ بھئی! تم دونوں تو ایک اور ایک گیارہ ہو۔" اس پر اسد تو انکل کی بات سن کر مسکرایا اور اندر اپنے دوست علی سے ملنے چلا گیا۔ جب کہ فہد ایک اور ایک گیارہ میں اُلجھ گیا۔ "پتا نہیں انکل کو کیا ہو گیا ہے؟ ایک اور ایک تو "دو" ہوتے ہیں۔ کیا انکل کو ریاضی نہیں آتی؟" فہد دل ہی دل میں انکل کی تعلیمی قابلیت پر افسوس کرنے لگا۔ دادا جان فہد کی غیر معمولی خاموشی محسوس کر چکے تھے، مگر کچھ کہا نہیں۔

واپسی تک فہد کی یہی کیفیت رہی۔ گھر آ کر فہد تھوڑی دیر بعد دادا جان کے کمرے میں موجود تھا۔

"دادا جان! کیا امجد انکل کو ریاضی نہیں آتی؟" فہد نے چھوٹتے ہی سوال کیا

"کیوں بیٹا!" دادا جان نے حیرانی سے فہد کو دیکھا۔

"دادا جان! کبھی ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں؟" فہد آپ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے، جس کی وجہ سے فہد میاں سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ اچھا پہلے اسد کو بلا لاؤ پھر بتاتا ہوں۔" دادا جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب دونوں بھائی دادا جان کے سامنے ہمہ تن گوش تھے۔

"ہاں بھئی بچو! دراصل ایک اور ایک گیارہ ایک محاورہ ہے، جس کے معنی ہیں کہ ایک اور ایک مل کے اتنے مضبوط بن جاتے ہیں، گویا گیارہ اور وہ اپنے دشمن اور مقابل پر بھاری ہو جاتے ہیں، جیسے اکیلے آدمی پر دشمن پل بھر میں قابو پا لیتا ہے جب کہ دو مل کر دشمن کو زیر کر دیتے ہیں اور امجد نے تم دونوں بھائیوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تم ایک دوسرے کا سہارا بن کر متحد ہو کر گیارہ بن سکتے ہو۔"

"مگر یہ ہو نہیں سکتا۔" پیچھے سے آتی عبداللہ صاحب کی آواز نے تینوں کو چونکا دیا۔

"کیوں ابو؟" فہد جھٹ سے بولا۔

"کیوں کہ آپ تو ہر وقت اپنے بھیّا اسد سے لڑتے رہتے ہو، اس کی ہر چیز پر نظر ہوتی ہے اور ہر بات پر مخالفت۔" عبداللہ صاحب نے وضاحت سے جواب دیا۔

فہد ابو کے آئینہ دکھانے پر سوچ میں پڑ گیا۔ "مگر بیٹا! ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ اگر آپ اپنے دل میں پیار کر و اور آپس کے جوڑ کو مضبوط کر لو تو آپ دونوں بھی ایک اور ایک گیارہ بن سکتے ہو۔" دادا جان پُر اُمید لہجے میں بولے۔

فہد سر جھکائے ساری بات سُن رہا تھا اور پھر اسد نے پہل کی اور اپنے چھوٹے بھائی کو گلے سے لگا لیا: "ہم ایک اور ایک گیارہ بن کر دکھائیں گے۔" اسد نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"ان شاء اللہ!" یہ فہد کی آواز تھی۔

جس پر عبداللہ صاحب اور دادا جان مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھنے لگے۔

"بچو! اس دن کے بعد وہ واقعی ایک اور ایک گیارہ بن گئے تھے۔"

اُف یہ بے ادبی

عبدالصّمد

اسکول کے طلبہ سالانہ امتحانات سے فارغ ہو کر اپنی کاپیوں اور کتابوں کے اوراق ٹکڑے ٹکڑے کر کے گلیوں اور روڈوں پر اُچھالتے ہیں، یہ انتہائی سخت بے ادبی ہے۔

جن کاپیوں اور کتابوں سے سارا سال استفادہ کیا، اب اسے راستے میں پھینک کر خود ہی اسے پاؤں کے نیچے پامال کرتے ہیں اور دوسرے لوگ اور جانور بھی اس پر گزر رہے ہوتے ہیں، سوچیں ان کاپیوں اور کتابوں سے حاصل ہونے والا علم انسان کے کیا کام آئے گا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ بس صرف قرآن اور حدیث کے اوراق کا ادب ضروری ہے اور کسی چیز کا ادب نہیں یہ انتہائی غلط سوچ ہے۔

علم و تعلیم سے جڑی ہوئی ہر شے کا ادب لازمی ہے۔ پین، پنسل، روشنائی سے لے کر استاد، اسکول و مدرسہ وغیرہ کی عمارت تک اور اسی طرح، ہر فن کے استاد اور ہر فن کی کاپی اور کتاب وغیرہ آلات کا ادب لازمی ہے۔

اساتذہ اور والدین کی ذمے داری ہے کہ بچوں کی تربیتِ علم، آلاتِ علم کا ادب شامل کریں، انھیں سمجھائیں کہ یہ کتابیں اور کاپیاں پھاڑنی ہیں اور نہ چند پیسوں کی خاطر کباڑی کو بیچنا ہے یا تو انھیں محفوظ رکھیں، بڑا ہو کر انسان جب اسے دیکھتا ہے تو بہت محظوظ ہوتا ہے اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ کتابیں کسی ضرورت مند طالبِ علم کو دے دی جائیں، اگر کوئی ضرورت مند نہیں مل رہا اور محفوظ رکھنا بھی ممکن نہیں تو اسے مقدّس اوراق کی نظر کر دیا جاتا ہے۔ شاید انہی بے ادبیوں کا نتیجہ ہے لوگوں کے پاس تعلیم تو ہوتی ہے، ڈگریاں بھی ساتھ ہوتی ہیں، لیکن انھیں ملتا کچھ نہیں۔۔۔!!

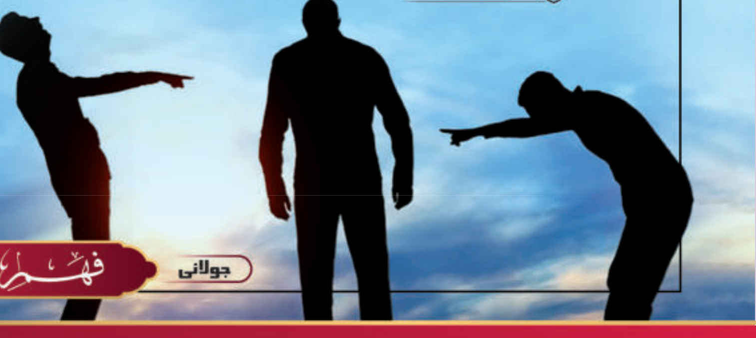

سرسبز وادی اور حاسد لومڑی

سمیرا انور

کسی پہاڑ کے دامن میں ایک خوب صورت وادی تھی، جس میں رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔اس وادی کا چپہ چپہ سر سبز تھا۔بہت سے جانور اور چرند،پرند اس وادی میں بستے تھے۔وہ سب ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔وادی کی خوب صورتی کا ایک راز یہ تھا کہ وادی کے سبھی مکین نہ صرف اپنے گھروں کو صاف رکھتے تھے،بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت وادی کی صفائی کا بھی خیال رکھتے تھے۔

"ٹونی خرگوشنی! تم نے کچھ سنا ہے؟" مونی بھیڑ جو گھاس چر رہی تھی کچھ یاد آنے پر گاجر کھاتی ٹونی خرگوشنی کے پاس چلی آئی۔

"ہیں۔۔وادی میں ایسا کیا خاص ہوا ہے، جس کا مجھے علم نہیں۔" ٹونی خرگوشنی نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ دراصل ٹونی خرگوشنی وادی کی ہر بات سے باخبر رہتی تھی، لیکن آج اسے اپنی کم علمی پر افسوس ہوا کہ وادی میں ایسا کچھ انوکھا ہوا ہے، جس کی اسے خبر نہیں ہو سکی۔

"ایک بھورے رنگ کی مخلوق ہماری وادی میں آ چکی ہے، جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" مونی بھیڑ نے اسے بتایا۔

وہ کیسی دکھائی دیتی ہے؟ ٹونی خرگوشنی نے تحقیق شروع کرتے ہوئے کہا۔

"تمھیں یاد ہوگا کہ ایک بار ہم پہاڑ کی سیر کے لیے گئے تھے، وہاں ہم نے بھیڑیا اور گیدڑ دیکھے تھے۔" مونی بھیڑ نے اسے کچھ یاد دلایا۔

"ہاں، مجھے یاد آ گیا۔کیا ان میں سے کوئی درندہ ہماری وادی میں گھس آیا ہے؟" ٹونی خرگوشنی نے آنکھیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔وہ ان جیسی ہے، لیکن دبلی، پتلی اور اس کی کھوپڑی کسی حد تک لمبوتری ہے۔ تھوتھنی اس کی لمبی ہے اور ٹانگیں چھوٹی، مگر مضبوط ہیں۔کان بڑے اور لمبے ہیں۔دُم اس کی گھنے بالوں کی وجہ سے پھولی ہوئی ہے۔" مونی بھیڑ نے وادی میں آنے والے نئے جانور کی شکل و شباہت تفصیل سے بتا دی۔

"اوہ، اچھا! مجھے سمجھ آ گئی" ٹونی خرگوشنی اس وادی میں سب سے زیادہ پڑھی لکھی اور سمجھ دار تھی۔

"مجھے بھی بتاؤ جلدی سے۔" مونی بھیڑ نے پھولے سانس میں اس سے پوچھا۔

"وہ چالاک اور حسد کرنے والی لومڑی ہے، جس کے بارے میں ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔" ٹونی نے اسے بتایا۔

"وہ خوشامدی بھی تو ہوتی ہے۔" مونی بھیڑ نے کہا۔

"ہاں بالکل، ہمیں اس سے بچ کر رہنا ہوگا۔" ٹونی خرگوشنی نے کہا۔

☆☆

دوسری طرف چالاک لومڑی نے اتنی خوب صورت وادی دیکھی تو اسے وادی کے مکینوں سے بہت حسد محسوس ہوا۔

"میں اس وادی کو بھی اس پہاڑی کی طرح گندا اور پتھروں سے بھر دوں گی اور یہاں رہنے والے ہر باشندے کی خوشیاں چھین لوں گی۔" حاسد لومڑی نے اپنے ذہن میں وادی کی تباہی کے منصوبے بنائے اور وہیں ایک درخت کے نیچے لیٹ گئی۔اگلے دن لومڑی نے وادی میں گھوم پھر کر سارا جائزہ لیا اور وہاں رہنے کے لیے اپنا ٹھکانہ بھی تلاش کر لیا۔کچھ ہی دن میں اس نے اپنی میٹھی زبان سے بہت سے جانوروں اور پرندوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ٹونی خرگوشنی اور مونی بھیڑ یہ سب دیکھ رہی تھیں۔انھیں اپنی وادی کی حالت خطرے میں محسوس ہونے لگی۔

"گولی گلہری! تم نے اپنے گھر کا سارا کوڑا گلی میں کیوں پھینک دیا ہے؟" ٹونی خرگوشنی نے غصے سے گولی کی طرف دیکھا جو ہنس ہنس کر چالاک لومڑی سے باتوں میں مصروف تھی۔

"شام میں اکٹھا کر لوں گی۔" گولی یہ کہتے ہوئے دوبارہ سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔چالاک لومڑی نے آہستہ آہستہ وادی کے سب باشندوں کو اپنے جال میں پھنسانا شروع کر دیا تھا۔وہ انھیں اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لگائے رکھتی اور ان کا دھیان دوسرے کاموں سے ہٹائے رکھتی۔کالو خرگوش جس کی ذمہ داری وادی کی گھاس کو صاف رکھنے کی تھی، وہ اب مزے سے لومڑی کی کہانیاں سنتا اور قہقہے لگاتا رہتا۔زونی بھیڑ جو ہر وقت صفائی کا درس دیتی رہتی تھی،اب اس کے گھر کے سامنے بھی سوکھے چارے کا ڈھیر لگا ہوتا۔

"ٹونی! ہماری وادی تو یوں ہی تباہ و برباد ہو جائے گی، سب نے اپنی اپنی ذمہ داریوں سے منھ موڑنا شروع کر دیا ہے۔" مونی بھیڑ نے افسردہ انداز سے کہا۔بی گائے کے بچے بھی وادی کا سبزہ کھیلتے ہوئے روندتے چلے جاتے اور وہ انھیں پہلے کی طرح نہ تو ڈانٹتی اور نہ ہی غصہ کرتی۔

"یہ سب اسی ہوشیاری اور حاسد لومڑی کی چال ہے، لیکن ہم اسے کام یاب نہیں ہونے دیں گی۔" ٹونی خرگوشنی نے کہا۔

"مگر ہم ایسا کیا کریں، جس سے ہماری وادی بچ جائے؟" مونی کی بات سن کر ٹونی اس کے پاس بیٹھ گئی اور اسے اپنا منصوبہ بتانے لگی۔

"چال باز لومڑی! تم ہماری پہاڑی کا سکون برباد کر کے اب اس سر سبز وادی میں تباہی مچانے چلی آئی ہو۔" بھورو ریچھ نے غرّاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ریچھ بھیا، میں کیوں بھلا اس وادی کی تباہی چاہوں گی۔میں تو یہاں کچھ دن آرام کرنے اور موسم کا مزہ لینے آئی ہوں۔" لومڑی جو اچانک بھورو ریچھ کو سامنے دیکھ کر کانپنے لگی تھی،اب منمناتے ہوئے بولی۔وادی کے سب جانور اور پرندے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

"پیارے دوستو! یہ چالاک لومڑی ہماری سر سبز پہاڑی کو بھی اپنی چال بازیوں کا نشانہ بنا کر یہاں چلی آئی ہے۔یہ کسی کو ہنستا مسکراتا اور خوش حال نہیں دیکھ سکتی،اس کی پہلی ترجیح دوسروں کے گھروں کی تباہی ہے۔" بھورو ریچھ کی بات سُن کر سب نے حیرانی سے لومڑی کی طرف دیکھا جو شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی تھی۔

"اور تم سب اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اس کی چکنی باتوں میں آ کر اپنا ہی گھر برباد کرنے لگے تھے اور اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں چرانے لگے تھے۔" بھورو ریچھ نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ان سب کی لاپروائی کی وجہ سے وادی کے سبزے نے کچھ ہی دنوں میں مرجھانا شروع کر دیا تھا۔وہ سب شرمندگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"کبھی کسی کی باتوں میں آ کر نہ تو اپنے عزیزوں کو ناراض کریں اور نہ ہی اپنے گھر کو بے توجہی کا شکار ہونے دیں۔" بھورو ریچھ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیا۔حاسد لومڑی اس سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ نکلی۔وادی کے سب جانور اور پرندے جو لومڑی کی باتوں میں آ گئے تھے، انھوں نے ٹونی خرگوشنی اور مونی بھیڑ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آیندہ کبھی کسی کی باتوں میں نہیں آئیں گے اور اپنی پیاری وادی کا پہلے کی طرح خیال رکھیں گے۔

حضرت ہاشم مِرقال رضی اللہ عنہ

بنت تاجور

مسلمان فوج اور ایرانی فوج جنگ کے میدان میں جب آمنے سامنے آئے تو مسلمان یہ دیکھ کر لمحے بھر کو ششدر رہ گئے کہ ایرانی اپنے ساتھ لڑنے کے لیے تربیت یافتہ شیر لائے ہیں، یہ ہیبت ناک جسامت رکھنے والا درندہ شیر ان کے اشارے کے ساتھ بھاگتا ہے، دھاڑتا ہے۔

اسی اثنا میں مسلمانوں کی فوج میں سے ایک بہادر اور شجاع صحابیٔ رسول ﷺ نکلے۔ وہ نڈر اور جری مسلمان نہایت بے خوفی کے ساتھ ایک خوف ناک اور ناقابلِ یقین اعتبار سے شیر کی جانب دوڑے۔ تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک آدمی، شکاری شیر کا شکار کرنے دوڑا ہو۔ کفار اور مسلمانوں کی فوجیں حیرت سے دیکھنے لگیں۔ ان سب کے سامنے کچھ انتہائی انوکھا ہونے جا رہا تھا۔

ایک آدمی چاہے کتنا ہی مضبوط اور طاقت ور کیوں نہ ہو، ببر شیر جیسے خون خوار اور طاقت ور درندے کا سامنا بھلا کیسے کر سکتا ہے؟ مگر سینکڑوں جاگتی آنکھوں نے دیکھا کہ وہ بہادر، ہوا کی طرح شیر کی طرف اُڑ کر گیا۔ اس بہادر مردِ مجاہد کے سینے میں کامل مسلمان کا ایمان اور ہمت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

یہ شیر بہادر جوان حضرت ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص تھے۔ حضرت ہاشم بن عتبہ مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے بھتیجے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکّہ کے دن اسلام قبول کیا تھا، چوں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت آخر میں دینِ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لیے پیارے نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں غزوات میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا۔ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوہر نمایاں ہوئے۔ خلیفہ دوم کے دورِ خلافت میں فتح عراق میں حضرت ہاشم مرقال کا کردار رہا ہے اور بعض شہروں کی فتوحات ان کے ہاتھوں انجام پائی ہیں۔

ملکِ شام کی فتوحات میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی، یرموک کی مشہور جنگ میں ایک آنکھ شہید ہوئی۔ اس زمانہ میں پورے شام اور ایران میں جنگ چھڑی تھی، حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں جنگوں میں شریک ہوئے، ایران کی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کا معرکہ نہایت اہم ہے، اس کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار الخلافہ سے جو منتخب بہادر، مجاہد بھیجے تھے، اس میں ایک حضرت ہاشم مرقال بھی تھے؛ چناں چہ وہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جہاد کے لیے چھ ہزار کے لشکر کے ساتھ شام سے روانہ ہوئے اور ٹھیک تیسرے دن ایران کے حدود میں پہنچے اور یرموک کے معرکہ میں شریک ہوئے، اس جہاد میں میدانِ جنگ میں حضرت ہاشم مرقال نے اپنی شجاعت کے نہایت حیرت انگیز مناظر دکھائے اور ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ مجاہدینِ قادسیہ میں کوئی بھی ان کے کارناموں کو نہ پہنچ سکا، فاتحین قادسیہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سر فہرست ہے۔

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب مرقال تھا اور اسی لقب سے دوست دشمن سب میں مشہور و معروف تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرقال اس لیے کہا جاتا ہے، کیوں کہ آپ جنگ میں حملہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ کرتے تھے۔ اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ جنگوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حملے کا خاص انداز ہوتا تھا، جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرقال کا لقب ملا۔ مرقال یعنی بہت تیز دوڑنے والے۔ اتنے تیز کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیر کو بھی ناقابلِ فراموش شکست دے ڈالی۔

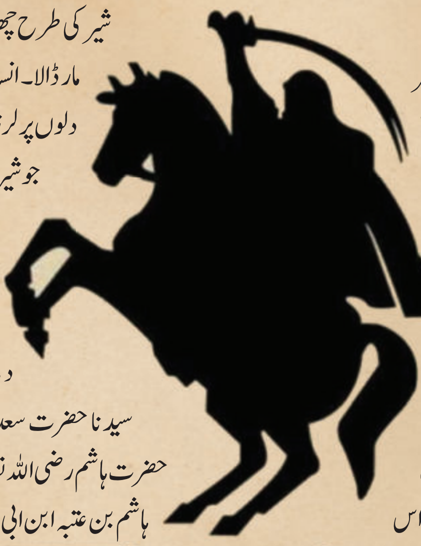

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ تھا کہ شیر ہی ان سے ڈرے گا، پھر انھوں نے اپنے شکار پر شیر کی طرح چھلانگ لگائی اور اس پر کئی وار کیے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے مار ڈالا۔ انسان اور ببر شیر کی لڑائی کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر ایرانیوں کے دلوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یہ سوچ کر کہ وہ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے، جو شیروں سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ ان پر مسلمانوں کی ہیبت و رعب اس قدر حاوی ہو گیا کہ ایرانی فوجی خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگے اور پھر تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ قصہ بھی رقم ہو گیا کہ مسلمانوں نے کافروں کو جنگ شروع ہونے سے پہلے دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ سبحان اللہ!

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے نوجوان بھتیجے اور نڈر صحابی حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان کا ماتھا چوم لیا تو ان مردِ مجاہد حضرت ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص نے عاجزی کے ساتھ اپنے چچا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور کہا: ”آپ کو زیبا نہیں کہ میرا ماتھا چومیں، بلکہ میں چومتا ہوں۔“ (تاریخ طبری)

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے انتہائی عقیدت اور محبت تھی اور ہر لحظہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر اپنی جان داؤ پر لگانے کے لیے آمادہ رہتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی اور قابلِ اعتماد اصحاب میں ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

ایک جنگ میں ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہی دن میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ بڑے سخی، باوفا، ہر دل عزیز، ذہین اور مدبّر تھے۔ اُنھیں کمان کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، لیکن جب انھیں کمان سونپی گئی تو انھوں نے اُسے نہایت عمدگی سے انجام دیا، جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اچھے نام اور اچھے کام کے علاوہ ان کا اور کوئی ذکر نہ تھا۔ بحیثیتِ قائد وہ فوری اور درست فیصلہ کیا کرتے، اصحابِ رائے سے مشورہ لیتے اور پھر اس پر عمل کیا کرتے تھے۔ وہ دلیر اور بہادر ہونے کے ساتھ نہایت مضبوط عزم کے مالک تھے۔ ماتحت عملے کے ساتھ ان کا حُسنِ سلوک مثالی تھا اور وہ بھی ان پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کا ماضی شاندار اور بے داغ تھا، اللہ تعالیٰ ان پاک باز و متّقی سپہ سالار، صحابیٔ رسول ﷺ اور عظیم مجاہد سے راضی ہوں اور مسلمانوں کو اُن کی پیروی کی توفیق نصیب ہو۔ آمین!

بچوں کے فن پارے

امِ ہانی کامران ، اقرا جنت الاطفال کراچی

زینب غزالی 9سال،صدیق پبلک اسکول اسلام آباد

سکینہ فاطمہ ،8سال سیالکوٹ

عائشہ گوہر ، ائی ایم جی اسلام آباد

محمد حارث،11سال دار ارقم اسکول اسلام آباد

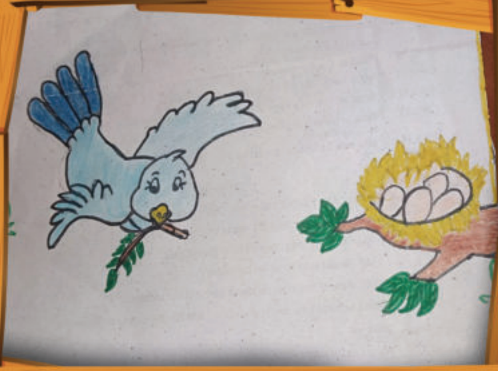
مناہل رفیق،گورنمنٹ گرلز اپوا اسکول میر پور خاص

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ فاطمہ نور کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انھیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہم دین
جولائی 2023ء کے سوالات

سوال 1: موجد کسے کہتے ہیں؟

سوال 2: حرمت والے مہینے کون سے ہیں؟

سوال 3: حضرت اویس قرنی نے اللہ سے دعا مانگ کر کون سی بیماری دور کروائی۔

سوال 4: خیبر میں آپ ﷺ نے کن صحابیہ کو ہار پہنایا؟

سوال 5: اماموں جان امی کے لیے کیا تحفہ لائے؟

پیارے بچو!!!

یقیناً آپ لوگ چھٹیوں کے مزے اڑا رہے ہوں گے۔ سیر تفریح چل رہی ہوگی، رات دیر تک جاگتے اور ہلہ گلہ کرتے ہوں گے، صبح دیر تک سوتے ہوں گے لیکن ٹھہریے دیر تک جاگنا صحیح ہے نہ صبح دیر تک سونا۔ صبح دیر تک سونے کی بجائے دوپہر کے وقت تھوڑا سو لینا چاہیے۔ اور فجر کی نماز تو بالکل نہیں چھوٹنی چاہیے۔ پتا ہے نا آپ کو فجر کے وقت سوتے رہنے والے کے کان میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔ آپ کو تعجب ہو رہا ہوگا کہ شیطان کو اس کام کے لیے ہمارا کان ہی ملا ہے۔ تو بچو! جیسے ہم کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو شیطان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوتا ہے، اسی طرح اس بدبخت کی کوشش ہوتی ہے ہمارے ہر کام میں دخل دے اس لیے ہر اچھا کام کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے اور برے کام کا خیال آنے پر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہیے۔ شیطان بدبخت کے لیے اپنا کان پیش کرنا کیسی بدنصیبی ہے نا!! رات کو الارم بھی لگانا چاہیے اور گھر میں ایک دوسرے سے کہنا بھی چاہیے کہ جو بھی جاگ جائے وہ سب کو فجر کی نماز کے لیے جگائے۔

کیا خیال ہے ایسا ہی کریں گے نا!!!

اپریل 2023ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: حماد بن سلمہ

جواب 2: حاتم طائی کی

جواب 3: معاف کر دیا

جواب 4: شیشے کا گلاس

جواب 5: پچاس کا نوٹ

اپریل 2023ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے
احمد نعیم
کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات جون کے فہم دین سے لیے گئے ہیں، ان کا جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 15 جولائی ہے۔

جوابات کے لیے وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں

03351135011

کعبے کی یہ بجلی ہے

ساجدہ بتول

پھر نظر کے وہ سامنے کعبہ کی گلی ہے
پھر آنکھ ہے نم اور جبیں میری جھکی ہے

یُوں خانۂ کعبہ سے میں لپٹی ہُوں بتول اب
سینے سے بتُول آج یہ مولا کے لگی ہے

پھر سامنے کعبہ کے نمازیں ہوئیں میری
اسوَد کو اشارہ ہے اُدھر نظر اُٹھی ہے

پھر بھیگی ہُوں رحمت کے میں میزاب کے نیچے
مسکن ہے مطاف اور کہ سعی پہ سعی ہے

زم زم سے ہُوں سیراب تو میزاب سے بھیگی
مدّت سے جو تھی پیاس مری آج بجھی ہے

بر آئی ہے اُمّید کہ شیطان کو مارا
ہے دل میں بہت جوش تو ہاتھوں سے رَمی ہے

عرفات کا میدان ہے کُل زیست ہے نادم
قِصّہ ہے عُمر بھر کا تو لمحوں کی گھڑی ہے

خیمے میں منیٰ کے ہُوں، دعاؤں کا ہے عالَم
بہتی مرے چہرے پہ یہ اشکوں کی لڑی ہے

دربار میں حاضر ہُوں میں اب پیارے نبی (ﷺ) کے
اِک گٹھڑی گُناہوں کی مرے سر پہ دھری ہے

کیا لائی ہُوں میں آہ! درُودوں کے یہ تحفے
ہر تحفے کے ہم راہ خطا بھی تو لگی ہے

باغوں میں پھری ہُوں میں مدینہ کے بہت ہی
سب کچھ ہے مگر جلوہِ آقا (ﷺ) کی کمی ہے

یادوں میں با حُسن ہے اُن سارے دنوں کا
سوچوں میں ہیں خُوشیاں تو حقیقت میں غمی ہے

عمرے کا تصوّر ہے تو حج کا ہے تخیّل
یہ ہو ہی گیا، وہ ہے کہ بس ہونے کو ہی ہے

میں بیٹھی ہوں گھر میں تو ہے کیا غم مُجھے اس کا
کہ روح مری مکہ مدینہ میں بسی ہے

لفظوں میں بسی میرے ہے روضے کی یہ خوشبو
کعبے کی یہ بجلی ہے قلم پہ جو گری ہے

ہے حج کا زمانہ مِرے اشکوں کا زمانہ
کب اس میں مری آنکھ بھلا خُشک ہوئی ہے

اِک بار بُلا لے مجھے حج پہ مرے مولا!
یہ دُھن ہے جو ہر دم ہی مرے دل کو لگی ہے

بڑی سرکار میں پہنچے بڑا دربار دیکھیں گے

خرم فاروق ضیاء

جہانِ عشق والفت، عالمِ اسرار دیکھیں گے
تری رونق، ترا جلوہ، ترے انوار دیکھیں گے

خدائے لم یزل کی رحمتوں کا منبع و محور
ترا حجرہ، ترا روضہ، ترا دربار دیکھیں گے

ترے قدموں نے جن کو شرف بخشا ہے زمانے میں
ترا مکہ، ترا یثرب، ترے کہسار دیکھیں گے

ترے شہرِ محبت میں تصور کی نگاہوں سے
ترا مصعب، ترا یاسر، ترا عمار دیکھیں گے

ترے پہلو میں جو سوئے رفاقت کے امیں بن کر
ترے ساتھی، ترے ہمدم، ترے حب دار دیکھیں گے

سرِ میدان جو دشمن پہ بجلی بن کے گرتے تھے
ترے گھوڑے، ترے نیزے، تری تلوار دیکھیں گے

شبِ ظلمت میں امید سحر لے کر ضیاء اک دن
بڑی سرکار میں پہنچے، بڑا دربار دیکھیں گے

منقبت در شانِ فاروقِ اعظم رضی اللہ

ارسلان اللہ خان

مرادِ مصطفی ﷺ، فاروقِ اعظم
ہمارے رہنما، فاروقِ اعظم

خدا کو بھی، نبی ﷺ کو بھی پسند ہے
تمہارا فیصلہ، فاروقِ اعظم

ہے بے شک سب سے اعلیٰ بعدِ صدیق
تمہارا مرتبہ، فاروقِ اعظم

نبی ءِ پاک ﷺ نے مانا کئی بار
تمہارا مشورہ، فاروقِ اعظم

ہے توریت اور ہے انجیل میں بھی
تمہارا تذکرہ، فاروقِ اعظم

شعور، حکمت، مروت، عدل وانصاف
شجاعت کی ضیا، فاروقِ اعظم

نبی ﷺ سے عشق کرنا ہی تھا بے شک
تمہارا فلسفہ، فاروقِ اعظم

محمد مصطفی ﷺ کی جو رضا ہے
تمہاری ہے رضا، فاروقِ اعظم

وہی ہیں ارسلاں دوئم خلیفہ
امامِ باصفا، فاروقِ اعظم

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمد باری تعالیٰ

زمین لب کشائی کو فرازِ آسماں کر دے
الٰہی لائقِ حرف سا میری زباں کر دے

تُو چاہے تو سمو دے دریا کو قطرے میں
جو تُو چاہے تو اِک قطرے کو بحرِ بے کراں کر دے

کرشمہ ہے یہ تیرے قبضۂ قدرت کا ادنیٰ سا
صدی کو پل، نہیں کو ہاں، خموشی کو اذاں کر دے

عجب ہے ذکرِ خالق بھی اگر ٹھہرے کرم فرما
نفس کی آمد و شد میں اُجالوں کو رَواں کر دے

علم ٹھہرے جہاں میں دو جہاں کی سرفرازی کا
وہ سر جس پر تو اپنی رحمتوں کو سائباں کر دے

سوا ہے پھر تمنائے طوافِ خانہ کعبہ
قمرؔ پر پھر کرم اے خالقِ کون و مکاں کر دے

شاعر: قمرؔ وارثی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

یادِ اُنؐ کی جب صدائے قلب و جاں بنتی گئی
لائقِ حمد و ثنا میری زباں بنتی گئی

اُنؐ کی صورت میں کلامِ حق نکھرتا ہی گیا
اُنؐ کی سیرت سے حدیثِ دو جہاں بنتی گئی

اُنؐ کا آغازِ قدم، انجامِ دو عالم کا ہے
راہ اُنؐ کی منزلِ آیندگاں بنتی گئی

اُنؐ کے دَر سے نور کا صدقہ جسے ملتا گیا
زندگی اس کی زمیں سے آسماں بنتی گئی

جتنا ہم ذکرِ شہہؐ کون و مکاں کرتے گئے
اتنی بیکلؔ قسمتِ حُسنِ بیاں بنتی گئی

شاعر: بیکلؔ اتساہی

نیکی اور گناہ میں فرق

نیکی اور گناہ کا وہی فرق ہے، جو روشنی اور اندھیرے کا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ اندھیرا ہو تو وہاں انسان کو سانپ اور بچھو نظر ہی نہیں آتے اور وہ ان سے بچ نہیں سکتا، جیسے ہی روشنی آتی ہے، سانپ بچھو کا پتا چل جاتا ہے۔ اوّل تو وہ خود بھاگ جاتے ہیں، ورنہ انسان ان کو مار دیتا ہے۔ اسی طرح جس انسان کے پاس علم کا نور ہوتا ہے، اس نور کے آتے ہی گناہوں کے سانپ بچھو اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں، پھر وہ انسان ان سانپ بچھوؤں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

(سکونِ قلب، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ص:274)

جو دلوں کو فتح کرلے، وہی فاتح زمانہ

بُنان حمال چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے، لیکن مصر میں رہنے لگے تھے۔ عوام و خواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔ اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں۔ حمال نے بادشاہِ مصر ابنِ طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی۔ ابنِ طولون تابِ سخن نہ لا سکا اور ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انھیں خون خوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔ انسان اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے۔ سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبۂ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی۔ بُنان حمال کو خون خوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا، شیر لپکا پھر رُک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا، دیکھنے والے ان کے جسم کے چیر پھاڑنے کا نظارہ کرنا چاہتے تھے، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جب دیکھا کہ شیر انھیں کچھ نہیں کہہ رہا، تب انھیں اس کے سامنے سے اٹھا دیا، اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا: ”شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟“ فرمانے لگے: ”میں اس وقت درندے کے جھوٹے کے متعلّق علما کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک۔“

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:84)

ممتاز بننے کا جذبہ

انسان تین چیزوں سے منفرد ہوتا ہے۔ ایک پیشہ، دوسرا جذبہ اور تیسرا کام۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک جتنے بھی لوگ ممتاز ہوئے ہیں، ان کا تعلق خواہ کسی شعبے سے ہو، ان کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے کام نے انھیں ممتاز کیا۔ بہترین پیشہ ہو، بہترین جذبہ ہو، لیکن اگر کچھ کرکے نہیں دکھایا تو پھر ممتاز نہیں ہوا جاسکتا۔ وہ تمام کے تمام لوگ جو کچھ کرکے چلے گئے، دراصل ان کا جذبہ ان کے کام کے ذریعے نظر آتا ہے۔

یاد رکھیے! آدمی کو اس کا کام زندہ رکھتا ہے۔ کاؤنسلنگ اور کوچنگ میں جب کسی شخص کو پرکھا جاتا ہے تو اس کی قوتِ ارادی کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ایک سے دس میں سے کون سے نمبر پر ہے۔ اگر وہ پانچ سے کم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کے اندر وہ جنون نہیں ہے، جو اُسے مستقبل کو بہتر بنانے پر مجبور کرے، لیکن اگر نمبر پانچ سے اوپر ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر اتنا جنون موجود ہے کہ جو اس کے مستقبل پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔

(اپنی تلاش، قاسم علی شاہ، ص:153)

تاریخ اور دوسرے فنون میں فرق

آپ جانتے ہیں کہ واقعات تو ادب کی کتب میں بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ احادیث میں بھی بہت سے واقعات آتے ہیں، مگر ان کو تاریخ کی کتاب نہیں کہا جاتا، کیوں کہ حدیث یا ادب میں واقعات زمانے کی ترتیب سے نہیں ہوتے۔ اکثر جگہ واقعے کا مہینے یا سال بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ ادب میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک واقعہ سامنے آجائے اور اس سے پڑھنے والا کوئی سبق حاصل کرے۔ حدیث میں واقعات کو فقہی احکام و نکات، سند کی حیثیت یا رواۃ کے ناموں کے لحاظ سے جمع کیا جاتا ہے، جیسا کہ کتب حدیث کے ہر مدوّن کے سامنے اپنے اپنے اہداف ہوتے ہیں۔

تاریخ ایک الگ فن ہے۔ اس میں واقعات کو اس طرح ترتیب سے جمع کرکے پیش کرنے پر توجہ دی جاتی ہے کہ جو واقعہ پہلے ہوا ہے، وہ پہلے سامنے آئے جو بعد میں ہوا ہے وہ بعد میں آئے۔ اکثر تواریخ کا انداز یہی ہے کہ پہلے محرّم سن 1 ہجری کے واقعات بیان ہوں گے، پھر صفر اور ربیع الاوّل کے پورے سال کے واقعات بیان کرکے پھر سن 2 ہجری کے واقعات شروع کیے جائیں گے۔ اسی ترتیب سے مؤرّخ اپنے دور تک حالات بیان کرتا چلا جائے گا۔

(تاریخ اُمت مسلمہ، اسماعیل ریحان، ج:1، ص:33)

ہندوستان میں کتب خانے

ہندوستان! اسلامی ممالک میں ہندوستان کی حیثیت بڑی تھی، جس میں اسلامی درسگاہوں، خانقاہوں اور دوسرے اسلامی مراکز کی تعداد بے شمار تھی، صرف علاقہ دہلی میں ایک ہزار مدارس تھے اور ہر ایک مدرسے سے متعلّق ایک کتب خانہ ہوتا تھا، لہٰذا ان تعلیمی کتب خانوں کی تعداد صرف اس ایک علاقہ میں ایک ہزار تھی، شاہی کتب خانے اس کے علاوہ تھے اور شاہی کتب خانوں کے علاوہ اور دوسرے کتب خانے جو کہ شخصی تھے، وہ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ تاریخی اوراق میں ہندوستان کے جن علاقوں کے کتب خانوں کا تذکرہ موجود ہے، ان کی تعداد تقریباً ایک سو سے زائد ہوجاتی ہے اور ہر علاقے میں کتب خانوں کی تعداد مختلف ہے، صرف بنگال میں ایک لاکھ مدارس تھے اور ہر مدرسے کا مستقل کتب خانہ تھا، لہٰذا ایک لاکھ کتب خانے ہوئے۔

(مطالعے کی اہمیت، مولانا روح اللہ، ص:132)

حضور کی سنت دیکھیے

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ”جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، دونوں حالتوں میں مجھے علم ہوجاتا ہے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ”یا رسول اللہ (ﷺ)! کس طرح علم ہوجاتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو ربِّ محمد (محمد کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو ربِّ ابراہیم (ابراہیم کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ

یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں، نام کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑتی ہوں۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:2، ص:84)

اقوالِ حکمت

- ہر آدمی اپنے گزشتہ کل کو کھو چکا ہوتا ہے۔ کام یاب تو وہ ہے، جو اپنے آج کو نہ کھوئے۔
- بڑے دل والا ہمیشہ کام یاب ہوتا ہے اور چھوٹے دل والا آدمی ہمیشہ ناکام۔
- مواقع نکل جاتے ہیں، مگر مواقع ختم نہیں ہوتے۔
- عقل مند آدمی کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور بے وقوف آدمی کرنے کے بعد سوچتا ہے۔
- برداشت بزدلی نہیں، برداشت زندگی کا ایک اصول ہے۔

(گلدستہ، انیسہ روشن زبیری، ص:126)

بیت السلام کمیونٹی سروس میں گراں قدر اضافہ

بیرون ملک قیام پذیر اہل وطن کے تعاون سے ترکیہ میں تیار کردہ معیاری

موبائل میت سرد خانہ و غسل خانہ

رپورٹ: فیضان الحق

بیت السلام کا شعبہ کمیونٹی سروس ہمہ وقت فعال رہنے والے شعبہ جات میں سے ایک ہے، کمیونٹی سروس کے تحت، تعمیر مساجد، فراہمی آب، بچوں اور نوجوانوں کے لیے تربیتی پروگرام، صدقہ، عقیقہ کے انتظامات، ویل چیر اور ایمبولینس سروس کی فراہمی، میت کی تجہیز و تکفین کے معاملات شامل ہیں۔

الحمد للہ حال ہی میں اس شعبے میں گراں قدر اضافہ عمل میں آیا ہے۔ اور یہ ہے

موبائل میت سرد خانہ و غسل خانہ

اس معیار کا پاکستان میں یہ واحد میت سرد خانہ و غسل خانہ ہے، جو بیرون ملک قیام پذیر اہل وطن کے تعاون سے ترکیہ میں تیار کیا گیا ہے۔ گھر کے دروازے پر یہ سہولت پہنچانا اہل خیر کے تعاون سے بیت السلام کے حصے میں آیا ہے

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

زکوۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

BAITUSSALAM

تعلیم

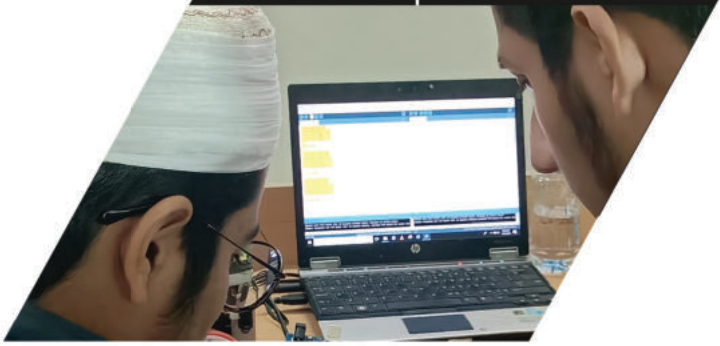

خدمت

صحت

ہو فرض بھی ادا